عُلمائے سلف

مع رسالہ: نابینا عُلماء کرام

یہ ان بلند پایہ کتب میں سے ہے جس کے اندر علم کے حصول میں ہمتوں کو بلند کرنے والی مشاکل کی شدت میں صبر کا درس دینے والی اور شوق کو بڑھانے والی، سلف صالحین کا علم نافع کے حصول میں استغراق، علم کی راہ میں ہر چیز کو قربان کر دینے حتی کہ اپنی جانوں کی بھی فکر نہ کرنے کا حال درج ہے۔

تالیف

علامہ امیر حبیب الرحمٰن خان شیروانی رحمۃ اللہ علیہ

پسند فرمودہ

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

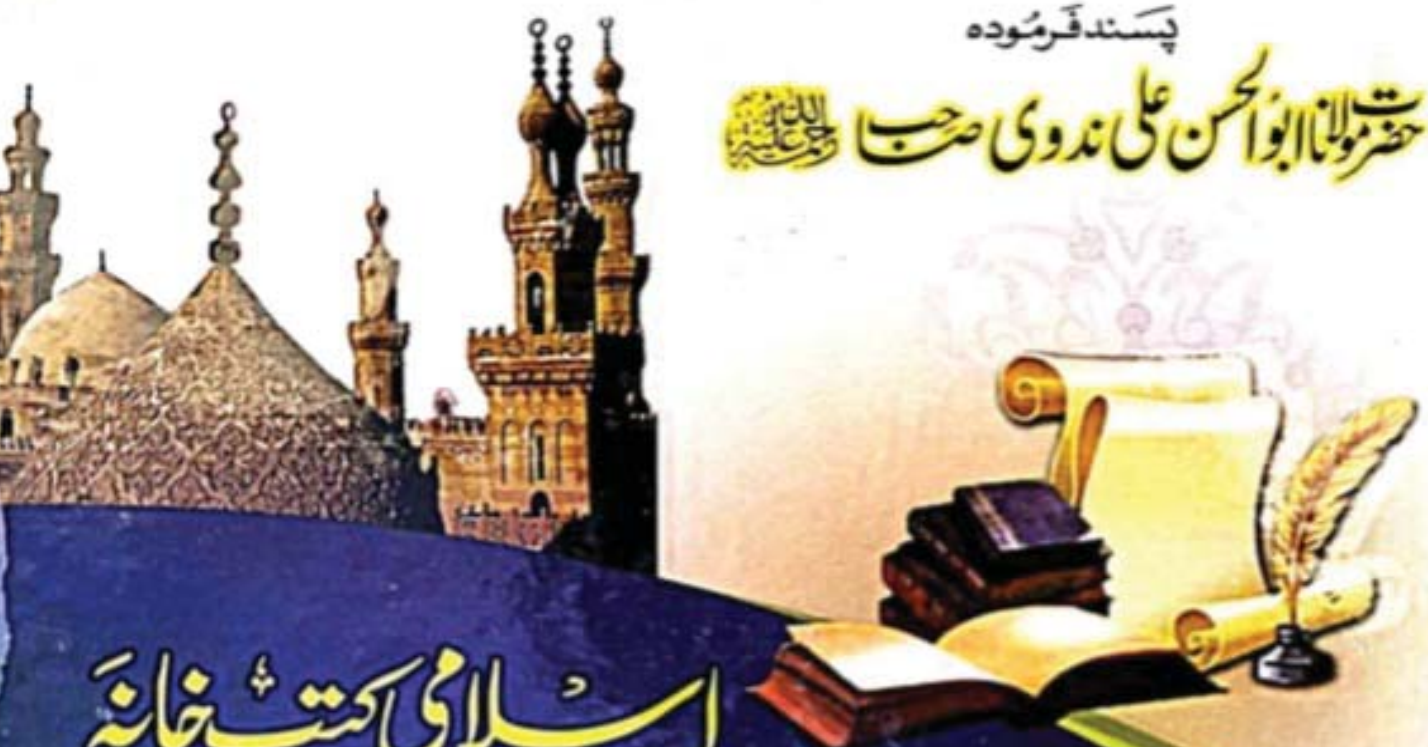

اسلامی کتب خانہ

علامہ سندھی ٹاؤن کراچی

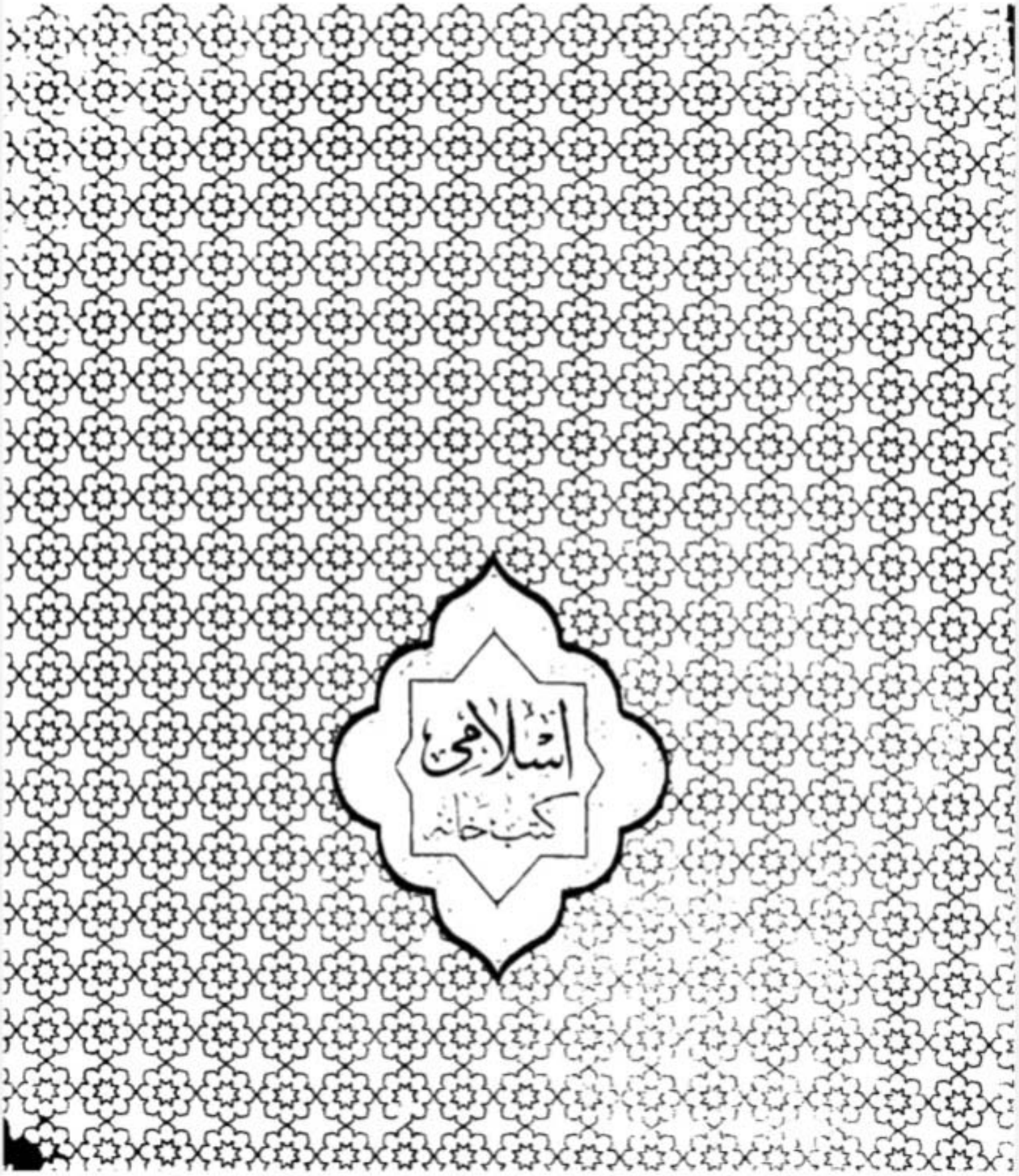
اسلامی
کتب خانہ

علماء سلف
اسلاف کے حالات وواقعات
مع
نابینا علماء کرام

تحقیقی مقالہ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن شروانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی کتب خانہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
فون: 021-34927159

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام	**علماء سلف** اسلاف کے حالات وواقعات
مؤلف	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن شروانی صاحب
اشاعت اول	جنوری ۲۰۱۶
باہتمام	محمد سعد
تعداد	۱۱۰۰

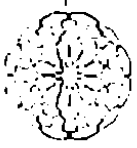

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون: 021-34927159

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
تعارف کتاب	13	مقدمہ بقلم مصنف	14
عنوان اول طلب علم	18	طلب علم کا زمانہ ختم نہیں ہوتا	18
طالب علم کے ادوار	19	دوسرا دور:	20
طلب علم کے صبر آزما لمحات	20	سچی طلب کا کمال	21
افلاس	21	افلاس کی تباہ کاری کی مثال	22
حجاج بغدادی کا افلاس سے مقابلہ:	23	بھوک کی شدت میں ابن المقری کا وسیلہ پکڑنا	24
امام برقانی کی ابتداء	24	کھانے کی خوشبو پر گزارہ کرنا	25
ابوحاتم رازی کی آزمائش:	25	ابوالعلاء ہمدانی کا افلاس	25
فارابی کی ہمت	26	سفر	26
محدثین کے علمی اسفار	28	ابوحاتم رازی کی پیادہ روی	28
ابن جیون کے سفر کا جائزہ	28	ابن المقری کا سفرنامہ	29
ابن مفرّح کے اَسفار	30	حافظ ابن طاہر مقدسی کے اسفار	31
ایک سو بیس مقامات کا سفر	32	بچپن سے علمی سفر کا شوق	32

امام کسائی کا علم ادب کے لیے سفر	33	سیبویہ کو بھی ایک لغزش نے سفر پر مجبور کیا:	35
شطرنجی قاضی سے طبیب ابوبکر کیسے بنا	35	ابن جنی کا علمی پختگی کیلئے مسند تدریس چھوڑنا	36
علم نباتات (باٹنی) کے حصول کیلئے سفر:	36	علامہ سید شریف اور طلب علم کا شوق	37
ابن بطوطہ کی سیاحت	38	ابوحاتم رازی کی کہانی خودان کی زبانی	39
کتابوں کا لکھنا	40	ابن فرات بغدادی کی کتابیں	1
ابن جوزی کے تصانیف	41	قوت تحریر کی مثالیں	42
توجہ کامل اور شوق طلب	43	امام دارقطنی کا کامل توجہ	45
حافظ کبیر اثرم کا بیک وقت دو سماع	45	محدثین نے سردی وگرمی کو علم پر اثرانداز نہیں کیا	46
ابن العلاء کو علم جان سے زیادہ عزیز تھا	47	یک تصنیف چالیس سال میں	47
امام زہری کا شغف	48	اہم کتابوں کا بارہا مطالعہ	48
کتاب کے ادب کا مستقبل پر اثر	49	زہری، مزنی اور فارابی اب بھی بن سکتے ہیں	50

اُبوالبرکات طبیب کیسے بنے	50	خطیب تبریزی کی لغت سیکھنے کیلئے محنت	51
رشیدالدین کی ہمہ گیر شخصیت	52	علم کا خزانہ کیسے ہاتھ لگے:	53
اولاد نہ ہونے کا خیال نہیں آتا	54	میں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا	55
ابن بشار نے باندی واپس کر دی	55	حفظ واستحضار علمی	56
متقدمین کے قوت علمیہ کے اسباب	57	شروحات اور حواشی کی غارت گری	58
امام ترمذی کا قوت حافظہ	59	قرطمہ کا حافظہ	60
ادیب ابوعمرو زاہد کے بارے میں بدگمانی کیسے ختم ہوئی	60	فعلیٰ کے وزن پر صرف دو اسم جمع	61
امام اصمعی کا غضب کا حافظہ	61	ابن بیطار کا انداز تدریس	63
آپ کے بعد کسی کو حقیر نہیں جانوں گا	64	علم سے سیر نہ ہونا	65
مجھے کچھ نہیں آتا	66	حالت نزع تک طلب علم	67
ایام مصیبت میں علمی کارنامے	68	نظر بندی کے ایام میں طلب علم	69
جلالت شان کے باجود طالب علمی	70	بذل اموال	70

مالداری میں طلب علم	71	مسند کبیر کے مصنف کا علم پر مال لٹانا	72
علمی کارناموں کے خوشی میں بذل اموال	72	مسلمانان سلف میں عموماً علمی ذوق	73
عامۂ مسلمین میں علم کا شوق اور رواج	73	محدثین کے درس کے حلقے	73
شرکائے درس کی تعداد معلوم کرنے کا طریقہ	74	علمی ذوق معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ	76
بغداد میں شیوخ حدیث کی تعداد	76	بغداد کے اسپیشلسٹ ڈاکٹروں کی تعداد	77
علمی ذوق معلوم کرنے کا تیسرا ذریعہ	78	بیبیوں میں علم کا ذوق	79
مسلمان لیڈی ڈاکٹر	79	باندی کا علمی ذوق	80
ابن جوزی کی پھوپھی	80	ربیعۃ الرائے کے علم میں ماں کا حصہ	81
امراء میں علم کا ذوق	84	کاش میں طبرانی ہوتا	84
وزیر کی کتابوں کیلئے تیس اونٹ درکار تھے	85	قاضی فاضل کا سراپا قلب و دماغ معلوم ہونا	85

عنوان دوم حق پسندی درست گوئی	87	حق پسندی بمقابلہ حکام	87
ابن عمرؓ کا حجاج کے روبرو اظہار حق	88	سعید ابن جبیرؒ کے حجاج کو کھرے کھرے جوابات	88
سعید ابن المسیب کی مروانیوں کے خلاف جرات	93	حسن بصریؒ کا ابن ہبیرہ کو دو ٹوک جواب	93
امام ابوحنیفہ کا عہدہ قضاء سے انکار	95	امام ابوحنیفہ کی حق پرستی	95
یزید ابن حبیب تابعی کا والی مصر پر غصہ	96	امام اعمش کی جرأت	96
ابوجعفر منصور کے سامنے ابن طاؤس کی حق گوئی	98	ائمہ اربعہ کی حق گوئی	98
ابن سلیمان کا جواب	101	عباسی خلیفہ کے سامنے امام اوزاعی کی بے باکی	99
سفیان ثوری کا شاہانہ اسراف پر طعن	101	امام مالک کا ہارون الرشید کو جواب	102
امام خلیل بصری کی حق گوئی	102	امام نسائی کا خارجیوں کو جواب	103
بادشاہ کی سرزنش	103	ایک ہزار اشرفی واپس کردی	104

ابن السکیت کا حسنینؓ سے محبت	104	اسمع یا اُخی سے خطاب	105
سلطان کی شہادت قبول نہیں کی	105	قاضی صاحب کا سلطانی فرمان پھاڑنا	105
آداب شاہی بجانہ لانا	106	رب العزت کا ادب زیادہ ہے	106
معاصرین اور ہم چشموں کے مقابلے میں	107	امام اعظم کا امام مالک سے ادب کا معاملہ	107
ابن عمرؓ کا امام شعبی کے علم کا اعتراف	108	امام زین العابدین کا اپنے شاگرد کے درس میں بیٹھنا	108
زہری اور ربیعہ کی ایک دوسرے کی حق شناسی	109	عمرو بن دینار امام زہری کے معترف ہوئے	109
محقق دوانی اپنے ہمعصر کو فضلیت دیتے ہوئے:	110	معاصرین کو اپنے اوپر فضلیت دینے کی مثالیں	110
ائمہ اربعہ کا اپنے سے کم مرتبہ کو فضلیت دینا	112	مخالفین کو فضیلت دینے کی مثالیں	113
سہل ابن عبداللہ نے امام ابو داؤد کی زبان چوم لی:	114	ثعلب نے مبرد کا مرثیہ پڑھا	114
خطیب بغدادی کیلئے قبر کی جگہ ابن زہری نے دی	115	دس ہزار اشرفی واپس کرنا	116

اپنے نفس کے مقابلے میں	116	امام شافعیؒ کا اپنے کم علمی کا اعتراف	118
ابن عمرؓ کا لاادری کہنا	118	مشہور تابعی عطاءؒ کا ابن ابی لیلی سے استفادہ	119
شاگردوں کی علمیت کا اعتراف	119	عطاء کے بارے میں حسن بصریؒ کا قول	120
اساتذہ کا اپنے شاگردوں سے علم حاصل کرنا	121	جرح وتعدیل کے بارے میں یحیی ابن معین کا قول	123
امام دارقطنی نے غلطی کا اعتراف کیا	123	فخر الاسلام شافعی کو اپنی کم مائگی کا احساس	124
اصمعی کا قرآن وحدیث کے بارے میں احتیاط	124	ابوالعباس ثعلب کا لاادری کہنا	125
متنبی شاعر پر سچ کا اثر	125	شعراء کا ایک دوسرے کے سامنے سر جھکانا	126
عالم باعمل ہے اسلئے قابل زیارت ہے	127	عنوان سوم اختلاف و اتفاق	128
جعفر صادق کا قول	129	امام اوزاعی کا مقولہ:	129
حجاج بن اَرطاۃ کا قول	130	اختلاف ونزاع میں فرق	131

صحابہ کرام میں اختلاف رائے	132	تابعین کے دور کے اختلافات	133
فراخ دلی کی پہلی دلیل حضرت قتادہؒ قدری تھے	133	عمرو بن مرہ مرجیہ تھے:	134
ہشام دستوائی قدری تھے	134	حسن بن صالح خارجی تھے	134
ابو سہل واسطی شیعہ تھے	135	محمد بن فضیل شیعہ تھے	135
شیخ بخاری عبداللہ بن موسیٰ شیعہ تھے	135	امام شعرانی اور عبدالرزاق کے بارے میں علماء کا قول	135
فراخ دلی کی دوسری دلیل	136	فراخ دلی کی تیسری دلیل	137
ابراہیم ابن طہمان مرجیہ کے ساتھ برتاؤ	137	حسن بصری کے مسند پر شیعہ کو بٹھانا	137
اس زمانہ میں عقائد میں اعتدال تھا	137	سب صحابہ کی ابتداء	138
فروعی مسائل میں اختلاف اور ادب	138	حنفی عالم کا شافعی عالم کا مرثیہ پڑھنا	139
حسن بصری اور ابن سیرین کا اختلاف	139	اخفش اور ابن رومی کا اختلاف	140
اپنوں کے ہاتھوں مصائب جھیلنا	140	ابو اسمعیل کو اپنے لوگوں نے پھنسایا	141

حلیۃ الاولیاء کے مصنف سے سوشل بائیکاٹ	141	اختلاف کا ایک سبب بغض بھی ہے	142
عنوان چہارم حسن معاش	143	کسب معاش	144
تجارت	144	حرفت	146
ملازمت	148	تمول	152
امام وکیع کی مالداری	152	ابوالہیثم کی مالداری	152
ابن العربی کی مالداری	153	سالانہ عشر کی مقدار	153
قاضی عیاض کی ریاست	153	علماء کے تعلقات سلاطین کے ساتھ اور سلاطین پر ان کا اثر	154
ملکی سیاست میں علماء کی ضرورت	154	علماء کی برکات ملکی سیاست میں	155
عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلافت ایک عالم رجاء بن حیات کی برکت سے ملی	156	امام ابو یوسفؒ کی دربار شاہی میں حیثیت	158
یحیی ابن اکثم کے دستخط کے بغیر وزراء کے احکام نافذ نہیں ہوتے تھے	158	شہاب الدین غوری امام رازی کی قدر کرتے تھے	159

شاہی تقرب اور علماء	159	شاہی خاندان پر علماء کا رعب	160
عبدالغنی دمشقی کا رعب	160	علامہ تفتازانی کا رعب	160
مولانا علاء الدین جمالی نے ڈیڑھ سو افراد کی جان بچالی	161	ملک پر اثر	163
عبداللہ بن مبارکؒ کیلئے لوگوں کا ہجوم	163	امام بخاری کا استقبال	164
امام فیروزی کے ہمراہی میں چلنے والوں کی تعداد	164	ابواسحاق شیرازی کے ساتھ لوگوں کی عقیدت	165
سفیان ابن عیینہ کو محدث بنانے والے امام اعظم تھے	165	وفات کے بعد علماء کے ساتھ عوام کی عقیدت:	165
مخالف فرقوں کی محبت ہمارے علماءؒ کے ساتھ	166	غیر مذہب کے لوگوں کی محبت علماء کے ساتھ	167
علماء کی معاشرت کے متعلق مزید حالات	168	ان کا لباس	168
امام مالک کی خوش لباسی	168	امام ابوحنیفہ کی چادر، قمیص اور عطر	168
دین کی عزت کی خاطر فاخرانہ لباس	169	جسمانی ریاضت	169

علماء کیلئے جسمانی ریاضت کی ضرورت	170	امام ابن عون تابعی کی گھوڑ سواری	171
امام بخاری کو تیراندازی کا شوق	171	ابوالقاسم شافعی علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ بہترین گھوڑ سوار	171
اپنا کام خود کرنا	172	اناسی برس کی عمر میں بھی اتنی خوداری	172
ابوالاسود دوَلی کی ہمت	173	نابینا علماء	175
مقدمہ	175	آنکھ ایک منبر ہے	175
دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشہ	176	اندھوں کی تعلیم کوئی جدید ایجاد نہیں	179
اقلیدس کی شکلیں اندھے کو کیسے معلوم ہوئی	179	بینائی کی قوت سے کام نہ لینا کفران نعمت ہے:	180
حضرت قتادہ	181	شاعر مشہور بشار	182
فقیہ شافعی زبیر بصری	183	ابومعاویہ	184
سہل ابن بکار:	184	محمد ابن منہال محدّث	184
ابومعشر	185	مغیرہ ابن مقسم	185
حمّاد ابن زید	186	حافظ علامہ ابوعمر	186

ابوالعیناء	186	حاضر جوابی کی مثالیں	187
دوئم مثال	187	سوئم مثال	188
چہارم مثال	188	پنجم مثال	189
ششم مثال	190	ابوبکر نحوی	191
ابوجعفر نحوی	191	ابوالعلا معری	191
أبوالعلا کی تصانیف	192	ابوالحسن مصری فقیہ شافعی	194
ہشام نحوی	195	ابوالعباس رازی	195
سعدان نحوی	196	ورّاق نحوی	197
شاعر مشہور علی قیروانی	197	ابوالقاسم عمر نحوی	198
امام شاطبی	198	محبّ الدین حنبلی	200
ابن الدّہان نحوی	200	شاعر مشہور ابن منصور	201
صائن الدین	202	ناقداری محدّث	203
جمال الدّین	204	کمال الدّین	204
قاری جمال الدّین	204	ابواسحٰق عراقی	204
اسمٰعیل ابن احمد	204		

تعارف کتاب

بقلم

مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ

☆☆☆☆

اصحاب علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اکابرین کے قصص، اخبار اور سیرت کے نمونے زندگی پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ تربیت کے عوامل میں سے ایک طاقتور عامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسا کے قرآن مجید میں جا بجا صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ ''فاقصص القصص لعلهم يتفكرون'' اور ایک جگہ ارشاد ہے کہ :''لقد كان في قصصهم عبرة لأولي الألباب'' اور ایک جگہ نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :''وكلا نقص عليك من انباء الرسل ما نثبت به فؤادك''.

اور ان بلند پایہ کتب میں سے میرے نزدیک علم کے حصول میں ہمتوں کو بلند کرنے والی، مشاکل کی شدت میں صبر کا درس دینے والی اور شوق کو بڑھانے والی، اردو زبان میں افضل ترین کتاب ''علمائے سلف'' ہے۔ جو کہ علامہ امیر حبیب الرحمٰن خان شیروانی صاحبؒ، سابق وزیر مذہبی امور حکومت حیدر آباد کی تصنیف لطیف ہے۔

یہ کتاب ایک خاص حالت میں لکھی گئی، اس کے لکھنے میں بے انتہا خلوص شامل ہے۔ قدیم علماء کے پر اثر اور رقت آمیز واقعات کو تلاش بسیار کے بعد اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ سلف صالحین کا علم نافع کے حصول میں

استغراق، علم کی راہ میں ہر چیز کو قربان کر دینے حتی کہ اپنی جانوں کی بھی فکر نہ کرنے کا حال درج ہے۔ نیز عالی ہمت محدثین اور فقہاء کا علم کے راستے میں نکلنا اور اس راستے میں پیش آنے والے مصائب اور آلام پر صبر کرنے کا درس ملتا ہے۔

میں طالب علموں کو ہمیشہ اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو بار بار پڑھیں، کیونکہ اس کتاب کا پڑھنا طالب علم کو علم کی طلب میں آسودہ کرے گا۔ ''دارالعلوم ندوہ'' میں بھی نماز عصر کے بعد طالب علموں کے سامنے اس کتاب میں سے کچھ نہ کچھ پورا سال پڑھا جاتا ہے۔

امید رکھتا ہوں میں اللہ تعالیٰ سے کہ دینی علوم کے طالب علموں کو نفع عطا کریں گے، ان طالب علموں کو جن پر آزمائش ڈالی گئی اور ان کو آخری دور میں مبتلاء کیا گیا نفس کے ذریعہ، اجتماع کے ذریعہ، ناقص تربیت اور فقر و فاقہ کے ذریعہ، اور حفاظت کریں گے ہمت کے ٹوٹ جانے سے، ملال سے، دنیا کے طلب گار دوستوں اور ساتھیوں سے۔ پس اس زمانے میں یہ ایک عمدہ کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس دنیا اور آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائیں اور طویل زندگی عطا فرمائیں تا کہ علم اور دین کی خدمت کر سکیں۔

ابوالحسن علی الحسنی الندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

ربیع الاول الآخر ۱۳۹۸

مقدمہ

بقلم مصنفؒ

☆☆☆☆

خزاں رسید بہ گلستاں بآں جمال نماند　　سماع بلبل شوریدہ رفت وحال نماند
نشانِ لالۂ ایں باغ از کہ می پرسی　　بروکہ انچہ تو دیدی بجز خیال نماند

شوال ۱۳۱۱ھ کا ذکر ہے کہ ندوۃ العلماء کا اول اجلاس شہر کانپور میں منعقد ہوا تھا جس میں دیار ہند کے اکثر مشاہیر علماء رونق افزا تھے۔ بزم ان کے جمال کمال سے روشن تھی اور نگاہ ان کے کمال جمال سے منور۔ اور ایک ایسا پاکیزہ منظر پیش نظر تھا جو تاریخ ہندوستان میں اپنی آپ ہی نظیر تھا۔ میری آنکھیں جب ان نورانی شکلوں کے دیدار سے فیضیاب ہوئیں تو چشم بصیرت میں ایک نور پیدا ہوا جس کی روشنی میں وہ زمانہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا جو فضائے عالم میں صد ہا برس کی راہ طے کر چکا ہے۔ یعنی متاخرین کا مجمع دیکھ کر متقدمین کا تصور بندھا اور ان کے حالات کے مطالعے کا شوق دل میں پیدا ہوا۔ یہ شوق ہنوز دل میں قائم تھا کہ جناب مولانا سید محمد علی صاحب ناظم ندوہ نے ایک نقشہ مضامین شائع فرمایا جس میں چند عنوان اس غرض سے درج تھے کہ آئندہ جلسہ ندوہ کے لئے ان پر مضامین لکھے جائیں۔ اتفاقاً ان میں ایک عنوان ''علمائے سلف'' بھی تھا۔ اس نقشے کو دیکھ کر پہلی تحریک میں ایک تازہ جوش پیدا ہوا اور باوجود بے مائگی یہ سوچ کر کے اس ذریعے سے چندے ان بزرگوں کی بھی معنوی ہمنشینی نصیب ہو جائے گی، عنوانِ بالا کو میں نے لیا۔

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام　　در ریاضِ افرینش رشتہ گلدستہ ام

اس رسالے کی تیاری کے واسطے حسب ذیل کتابیں میں نے لفظ بہ لفظ پڑھیں اور ان میں سے حالات انتخاب کئے:

شمار	نام کتاب	مصنف	مطبع
۱۔	تذکرۃ الحفاظ۔	امام شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ (کشف الظنون)۔	دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔
۲۔	وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان۔	قاضی القضاۃ ابی العباس احمد بن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ۔	مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۰ھ
۳۔	نزہۃ الالباء فی طبقات الادباء۔	امام ابی البرکات عبدالرحمٰن ابن محمد انباری المتوفی ۵۷۷ھ۔	مصر ۱۲۹۴ھ۔
۴۔	عیون الانباء فی طبقات الاطباء۔	موفق الدین ابوالعباس احمد ابن قاسم المعروف بابن اصیبعہ المتوفی ۶۶۸ھ۔	مطبع وہبیہ مصر ۱۲۹۹ھ۔
۵۔	الشقائق النعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ۔	مولیٰ طاشکبری زادہ رومی المتوفی ۹۶۸ھ۔	مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۰ھ
۶۔	العقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم۔		مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۰ھ

ان کتابوں کے علاوہ جستہ جستہ ذیل کی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے:

شمار	نام کتاب	مصنف	مطبع
۱۔	مقدمہ فتح الباری۔	امام ابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ۔	انصاری دہلی ۱۳۰۲ھ۔
۲۔	الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان۔	مفتی احمد بن الحجر المکی المتوفی ۹۷۳ھ۔	مطبع میمنیہ مصر ۱۳۱۱ھ
۳۔	رحلۃ ابن بطوطہ۔	ابوعبداللہ محمد ابن عبداللہ۔	وادی النیل مصر ۱۲۸۷ھ
۴۔	کامل۔	علامہ ابن اثیر جزری ۶۳۰ھ۔	ذات التحریر مصر ۱۳۰۳ھ
۵۔	الملل والنحل۔	عبدالکریم شہرستانی۔	۱۲۸۸ھ۔
۶۔	بستان المحدثین۔	شاہ عبدالعزیز صاحب۔	منشی محمد منیر ۱۲۷۷ھ۔
۷۔	صنجۃ الطرب فی تقدمات العرب	نوفل افندی	مطبع امیر کان بیروت۔
۸۔	کشف الاسرار شرح اصول فخر الاسلام بزدوی۔	امام عبدالعزیز بخاری المتوفی ۶۳۰ھ۔	مطبع صحافیہ عثمانیہ قسطنطنیہ ۱۳۰۸ھ۔

اس فہرست کے پیش کرنے سے اپنا بلاغ نظر جتانا مقصود نہیں بلکہ یہ اظہار مطلوب ہے کہ یہ کتاب کس قسم کے مادے سے صورت پذیر ہوئی ہے۔اس موقع پر اتنی گزارش کی اور جسارت کی جاتی ہے کہ اس ناچیز تحریر میں جو بحث حالات وواقعات سی کی گئی ہے یا جو نتیجہ ان سے نکالا گیا ہے وہ مؤرخانہ حیثیت سے ہے نہ مفتیانہ یا متکلمانہ حیثیت سے اور اس سے مقصود گزشتہ علمائے اہل اسلام کے حالات کا لکھنا ہے نہ کسی دینی مسئلے کا فیصلہ اور طے کرنا۔

حوالۂ واقعات لکھتے وقت حسب ذیل علامتوں سے کام لیا گیا ہے:

تذ: تذکرۃ الحفاظ۔ابن :ابن خلکان۔شق:شقائق نعمانیہ۔عیون :عیون الانباء۔نزہۃ :نزہۃ الالباء۔مقدمہ:مقدمہ فتح الباری۔ج: جلد۔ص:صفحہ۔

شقائق نعمانیہ کی تقسیم جلدوں پر اس کے مصنف نے نہیں کی ہے۔مگر چونکہ یہ کتاب تاریخ ابن خلکان کی دونوں جلدوں کے حاشیے پر درج ہے اور دونوں جلدوں کے صفحوں کا شمار جدا جدا ہے اس لئے حاشیے کی کتاب کی بھی تقسیم کرنی پڑی۔

ہر واقعے کا حوالہ بقید جلد وصفحہ کتاب اس کتاب کے ہر صفحہ کے نیچے لکھ دیا گیا ہے اور اس طرح میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے جو بحیثیت ناقل میرے ذمہ تھا

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

خادم طلباء

محمد حبیب الرحمٰن شروانی

بھیکن پور ضلع علیگڑھ،

۱۹ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ۔

☆ عنوان اول ☆

طلب علم

علمائے سلف کے جن حالات سے ہم بحث کرنا چاہتے ہیں ان میں طلبِ علم کو سب سے اوّل ہم نے قائم کیا ہے اہل علم کی زندگی کے مختلف مدارج ہیں یہ منزل سب سے پہلی ہے اور نیز اس کا تقدم نہ صرف بہ لحاظ زمانے کے ہے بلکہ باعتبار اہمیت اور شان کے بھی اوّل ہے۔ یہی وہ منزل ہے جو اس بات کا فیصلہ کر دیتی ہے کہ کون منزل مقصود تک پہنچے گا اور کون حرمان نصیب ہوگا۔ ایک عالم کا ذکر آپ آگے پڑھیں گے کہ ایک شب اپنے طالب علموں کو انھوں نے دو حالتوں میں پایا۔ ایک تکیے کا سہارا لئے مطالعۂ کتاب کر رہا تھا دوسرا دوزانوں مستعد بیٹھا کتاب بینی میں مشغول تھا۔ اور وقتاً فوقتاً کچھ لکھتا بھی جاتا تھا۔ جوہر شناس اُستاد نے یہ ماجرا دیکھ کر اوّل کی نسبت کہا کہ اِنَّہ لَا یَبْلُغَ دَرَجَۃَ الْفَضْلِ دوسرے کی بابت فرمایا کہ سیُحصِّل الفضلَ وَیَکوُن لہٗ شان فی العلمِ آگے چل کر صاف ثابت ہوگیا کہ یہ پیشین گوئی بالکل سچی تھی۔ پس جو منزل اس طرح آئندہ زندگی کا فیصلہ کر دینے والی ہو اُس کے مہتم بالشان ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ اس منزل کو اگر صرف اوّل منزل کہہ کر چھوڑ دیا جائے تو ایک پہلو اُس کا بیان ہوگا۔

طلب علم کا زمانہ ختم نہیں ہوتا:

جس طرح یہ منزل سب سے اوّل ہے اسی طرح سب سے آخر ہے بلکہ یہ کہنا قطعاً مبالغے سے مبرا ہے کہ باکمال علما کی زندگی میں اوّل سے آخر تک یہ منزل ختم

نہیں ہوتی آپ آگے کے صفحوں میں بہت سے واقعے اس دعویٰ کی تائید میں پائیں گے۔ اہل کمال نوے برس کی عمر میں طالب علم تھے، اور جب اُن کی روح سکرات کے تلاطم میں تھی ان کا دل ودماغ خدمتِ علم میں مصروف تھا۔ شعر ؎

مہرِ تودر وجودم وعشق تو در سرم باشیر اندروں شد وباجان بدر شود

شیخ الاسلام انصاری نے فرمایا ہے کہ هٰذا الشان شانُ مَنْ لَيسَ لهُ شانٌ سِوىٰ هٰذا الشان یعنی طلبِ علم اُن جوان مردوں کا کام ہے جن کو مقصود بالذات یہی کام ہو۔

طالب علم کے ادوار:

طالب علمی کے مختلف دور ہیں۔ پہلا دور مکتب یا مدرسے میں اُستاد کی زیرِ نگرانی ختم ہوتا ہے اور فی الواقع اُس کو بنیادِ کمال سے زیادہ کوئی لقب نہیں دیا جا سکتا۔ اگر کوئی شخص ایک عالی شان عمارت کا منصوبہ دماغ میں قائم کرے اور اس کی بنیاد بھر کر سطحِ زمین میں کچھ بلند کر دے اور اتنی محنت کے بعد وہ یہ خیال کرے کہ میں مکان بنا چکا اور سمجھ لیا کہ وہ عالیشان عمارت بن چکی ہے۔

چند روز میں ہوا اور بارش کے صدمے اُتنی بنیاد کو بھی نسیاً منسیاً کر دیں گے۔ اور اس کے بانی کی پست ہمتی کی ایک عبرتناک یادگار قائم رہ جائے گی بجنسہ یہی حال اُن ہونہار طالب علموں کا ہے جو مدرسہ چھوڑ کر یہ سمجھ لیں کہ ہم عالم بن چکے۔ یہ طلبہ بھی اپنی ہونہاری کا خون کر کے اپنے استاد اور دوستوں کے دلوں کو حسرت کا داغ دیں گے۔

دوسرا دور:

دوسرا دور طالب علمی کا مدرسے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جس میں انسان خود شاگرد بنتا ہے اور خود اُستاد۔

معلم کیست عشق او کنج خاموشی و بستانش سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش

زہر کس نہ آید ایں استاد شاگردی نہ ہر کوہے بدخشاں باشد و ہر سنگریزہ لعلِ رخشانش

اس دور کی انتہا وہ ہے جو بلند خیال ابن العلا نے مقرر کی ہے یعنی مادامت الحیوٰۃ تحسن بہ یہی دور کمال کا دور ہے۔ پس طالب علمی اور کمال گویا ایک ہی ہیں اور اسی لحاظ سے ہم نے طالبِ علم کو اوّل اور آخر منزل قرار دیا ہے۔

طلب علم کے صبر آزما لمحات:

جن جواں مردوں نے میدان طلبِ علم کو طے کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ راہ کیسی معرکہ خیز اور صبر آزما ہے کہیں افلاس کا مردم خوار یاں اپنی منحوس صورت دکھلاتا ہے اور قوتِ لایموت کے حاصل ہونے کی بھی کوئی شکل نظر نہیں آتی کبھی جڑی بوٹی کے پتوں پر بسر کرنی ہوتی ہے اور کبھی نان بائی کی دوکان پر صرف بوئے طعام پر قانع ہونا پڑتا ہے۔ کہیں محنت اور مشقت سے دل گھبراتا ہے اور چھکے چھوٹتے ہیں کسی کو ناز و نعمت کے کرشمے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ کسی کی نفسانی خواہشیں دست بگریباں ہوتی ہیں غرض ایک ہنگامۂ بلاخیز سے سامنا کرنا پڑتا ہے جن ارادوں میں ذرا بھی قوت کی کمی ہوتی ہے وہ ان معرکوں کے مقابلے میں پست ہو جاتے ہیں۔ اور زبانِ حال پر ان کی لَا طَاقَةَ لَنَا الیَوْم کا مضمون ہوتا ہے۔

سچی طلب کا کمال:

لیکن سچی طلب اپنا راستہ صاف کر کے طالب کو مطلوب تک پہنچا دیتی ہے۔اور جس قدر دقت اور صُعوبت پیش آتی ہے۔ان بہادر طالبوں کے عزم زیادہ مستحکم اور حوصلے زیادہ بلند ہوتے جاتے ہیں۔اگر حوصلوں میں وسعت اور ارادوں میں استحکام نہ ہوتا تو اہل اسلام کو شیخ الاسلام بقی بن مُخلّد،امام بخاری اور حکیم ابونصر فارابی نصیب نہ ہوتے۔کیا چقندر کے پتے اور جنگل کی گھاس کھا کر اور شب کو پاسبانوں کی لال ٹینوں سے مطالعہ کر کے امام اور حکیم بن جانا آسان ہے نہیں ہرگز نہیں۔وہ کون سی قوت تھی جس نے علی بن عاصم عراقی اور ابنِ سنجر کو ناز ونعمت کے آغوش سے چھین کر راہِ طلب میں سرگرداں کر دیا اور اتنا پھرایا کہ ایک کو مسندِ عراق اور دوسرے کو حافظ کبیر بنا کر چھوڑا۔بیشک یہ طلبِ صادق ہی کا کرشمہ تھا۔اتنی تمہید یہ امر ناظرینِ باتمکین کے ذہن نشین کر سکے گی کہ ہم علمائے سلف کی طلب علمی کی نسبت کس کس پہلو پر بحث کرنے والے ہیں اور سچی طلب کا معیار ہمارے پاس کیا ہے۔

افلاس

انسان کا حوصلہ پست کرنے والی اور ہمت کو ہرا دینے والی دنیا میں کوئی چیز غالباً افلاس سے بڑھ کر نہیں ہے۔مفلسی میں پھنس کر آدمی عزم کا استحکام اور ارادے کی استواری بالکل کھو بیٹھتا ہے۔اور دل ودماغ کی شگفتگی جو تمام بلند خیالیوں کا سرچشمہ ہے قطعاً معدوم ہو جاتی ہے۔اگر ایک سرسبز چمن کی سیرابی کے سارے ذرائع مسدود کر دیئے جائیں تو وہ مایہ بہجت سراپا وحشت بن جائے گا اور ظاہر ہے کہ جس چمن کے

نشو ونما یافتہ گلبن جل کر ہیزم خشک ہو جائیں اس میں تازہ نو بادوں کے اُگنے کی کیا اُمید ہوسکتی ہے بعینہ یہی مصیبت افلاس کے ہاتھوں انسانی دل و دماغ پر نازل ہوتی ہے مفلسی نہ صرف موجود خیالات کا ناس مارتی ہے بلکہ آئیندہ حوصلوں اور اُمنگوں کا پیدا ہونا بھی بند کر دیتی ہے۔

آنچہ شیراں راکند رو بہ مزاج احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

خدا جانے کتنی قابلیتوں کا خون اس مردم خوار دیو کی گردن پر ہے اور کس قدر استعدادیں اس بیدرد کے ہاتھوں ضائع ہوئی ہیں۔

افلاس کی تباہ کاری کی مثال:

جو بلند ہمت نوجوان اپنے بڑھتے ہوئے ارادوں میں افلاس کے پھندے میں پھنس کر مایوسی کے ساتھ بے دست و پا رہ جاتے ہیں ان کی مثال بجنسہ ایسی ہے کہ ایک سیاہ ہرن اپنی طاقت اور قوت کے زعم میں اکڑا چلا جا رہا ہے۔ میدان کی وسعت اس کے دل میں امنگیں پیدا کر رہی ہے اور قدم قدم پر اس کی چال بڑھتی جاتی ہے ناگاہ وہ صیاد کے مضبوط پھندوں میں (جو دور تک پھیلے ہوئے ہیں) پھنس کر گر پڑا۔ اب وہ جس قدر اپنی قوت صرف کرتا ہے اُتنی ہی اُن پھندوں کی گرفت سخت ہوتی جاتی ہے جن لوگوں نے یہ منظر ملاحظہ کیا ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ جنگل کا آزاد منش پہلوان کیسا ان پھندوں میں پڑ کر اپنی چوکڑی بھول جاتا ہے۔ آہ اے افلاس ! تو آج تو مسلمانوں کے حوصلوں پر ہمیشہ سے زیادہ بیداد کر رہا ہے۔ جس قوم میں حوصلوں کا قحط اور ہمت کا برا حال ہو۔ اس میں اگر کچھ الوالعزم جو یائے کمال

نکل آئیں تو ان کو تو پیس کر رکھ دے۔ ہائے یہ کیسا ظلم ہے لیکن تجھ کو یاد ہوگا کہ تیرا زور آج کل کی طرح ہمیشہ ہماری ہمتوں پر غالب نہیں رہا ۔

حجاج بغدادی کا افلاس سے مقابلہ:

کیا تجھ کو یاد نہیں ہے کہ جب حافظ الحدیث حجاج بغدادی شبابہ کے یہاں تحصیل علم کو جانے لگے تو ان کی مقدرت کی کل کائنات یہ تھی کہ ان کی دلسوز والدہ نے سو کلچے پکا دیئے تھے جن کو وہ ایک گھڑے میں بھر کر ساتھ لے گئے ۔روٹیاں مہربان ماں نے پکا دی تھیں سالن ہونہار اور دلیر فرزند نے خود تجویز کر لیا اور اتنا کثیر کہ آج تک صدہا برس گزرنے کے بعد بھی ویسا ہی تروتازہ موجود ہے وہ کیا؟ دجلے کا پانی ۔حجاج ہر روز ایک روٹی دجلے کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور استاد سے پڑھتے جس روز وہ روٹیاں ختم ہوگئیں ان کو استاد کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا۔ (تذج صفحہ ۱۳۰) شیخ الاسلام بقی بن مخلد اس سے بھی زیادہ مؤثر ایک حکایت بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس پر ایام طالب علمی میں اتنا سخت زمانہ گذرتا تھا کہ بے مائیگی کی وجہ سے چقندر کے پتے کھا کھا کر بسر کرتا (تذج ۲ صفحہ ۲۰۴)۔ پتے کھانا کچھ زیادہ عجیب بات نہیں ۔بھوک وہ بلا ہے کہ لخت جگر بچوں کے کباب ماں باپ کو کھلا کر چھوڑتی ہے ۔قابل تحسین و ہزار آفریں یہ ہے کہ جس افلاس نے چقندر کے پتے کھانے پر مجبور کیا اس میں اتنی قوت نہ تھی کہ علمی شوق طالب علمی میں رخنہ ڈال سکے۔

بھوک کی شدت میں ابن المقری کا وسیلہ پکڑنا:

ابن المقری، ابوالشیخ اور طبرانی یہ تینوں شیخ ہم عصر ایک زمانے میں مدینہ طیبہ میں طالب علمی کرتے تھے۔ ایک بار ان پر ایسا وقت آیا کہ خرچ کی قلت نے بہت پریشان کیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ روزے پر روزہ رکھا۔ بھوک نے جب بہت مضطرب کیا تو انہوں نے حضرت سرور کائنات کا وسیلہ ڈھونڈھا اور سب کے سب مل کر روضۂ عالی پر گدایانہ حاضر ہوئے۔ اور صدا دی کہ یارسول اللہ اَلْجُوع اس کے بعد طبرانی تو وہیں بیٹھ گئے اور کہا کہ یا موت آئیگی یا روزی۔ ابن مقری اور ابوالشیخ لوٹ کر فرودگاہ پر چلے آئے۔ وہ صدا خالی کب جاتی کچھ عرصے کے بعد دروازہ مکان پر کسی نے دستک دی دروازہ جو کھلا تو دیکھا کہ ایک والا دودمان علوی مع دو غلاموں کے تشریف فرما ہیں اور غلاموں کے سروں پر بہت سا سامان رکھا ہوا ہے۔ ان کو دیکھ کر علوی نے کہا کہ آپ لوگوں نے میری شکایت حضور نبوی میں کی خواب میں آپ نے مجھ سے یہ فرمایا ہے کہ تمھارے پاس کچھ پہنچادوں چنانچہ یہ حاضر ہے۔

(تذ ج ۲ صفحہ ۱۸۳)

امام برقانی کی ابتداء:

شیخ الفقہا امام برقانی جب اسفرائن پڑھنے گئے تو اُن کے پاس تین اشرفیاں اور ایک درہم تھا سوء اتفاق سے اشرفیاں راہ میں گم ہوگئیں درہم باقی رہ گیا۔ اسفرائن پہنچ کر وہ درہم اُنہوں نے ایک نان بائی کے یہاں جمع کر دیا۔ ہر روز نان بائی کے یہاں سے دو روٹیاں لے لیتے۔ اور احمد بن بشر کے یہاں سے ایک جز کتاب کا لاکر

شام تک نقل کرتے۔اور شام کو نقل شدہ جز واپس پہنچا دیتے۔تیس جز نقل ہوئے تھے کہ درہم ختم ہو گیا۔اور انہوں نے مجبور ہو کر اسفرائن سے سفر اختیار کیا۔

(ترجم ۳ صفحہ ۲۷۵)

کھانے کی خوشبو پر گزارہ کرنا:

امام ابو علی بلخی جب عسقلان میں تھے تو خرچ سے اس قدر تنگ ہوئے کہ کئی فاقوں کی نوبت پہنچی۔ اور ضعف نے لکھنے سے معذور کر دیا جب بھوک کی اذیت برداشت نہ ہو سکی تو نان بائی کی دوکان پر اس غرض سے جا بیٹھے کہ کھانے کی خوشبو سے ہی کچھ تقویت طبیعت کو پہنچا لیں۔ (ترجم ۳ صفحہ ۳۷۱)

ابو حاتم رازی کی آزمائش:

فن حدیث کے عالی مرتبہ امام ابو حاتم رازی اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں زمانہ طالب علمی میں چودہ برس بصرے رہا۔ایک وقت تنگدستی کی یہ نوبت پہنچی کہ کپڑے تک بیچ کر کھا لئے۔جب کپڑوں کی قیمت بھی خرچ ہو گئی تو دو دن بھوکا رہا۔ آخر ایک رفیق سے اظہارِ حال کرنا پڑا۔خوش قسمتی سے اُس کے پاس ایک اشرفی تھی نصف اُس نے مجھ کو دیدی۔(ترجم ۴ صفحہ ۱۴۷)

ابو العلاء ہمدانی کا افلاس:

شیخ الاسلام ابو العلائے ہمدانی کو بغداد میں اس حال میں کسی نے دیکھا کہ رات کو مسجد کے چراغ کی روشنی میں جو بلندی پر تھا کھڑے کھڑے لکھ رہے تھے۔ظاہر

ہے کہ اگر اُن کو روغن خریدنے کی مقدرت ہوتی تو یہ تکلیف وصعوبت کیوں گوارا کرتے۔(تزج ۴ صفحہ ۱۲۰)

فارابی کی ہمت:

حکیم ابونصر فارابی جس کا ایک عالم میں شہرہ ہے اس کی نسبت بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ وہ عہدِ طالب علمی میں تہی دستی کی بدولت چراغ کا تیل خریدنے سے بھی معذور تھا تاہم اس کا شوق بیکار رہنے والا نہ تھا۔رات کو پاسبانوں کی قندیلوں سے کام لیتا اوران کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیا کرتا۔اسی تنگ حالی میں اُس نے وہ علمی ترقی کی کہ سارے جہان میں اپنا نام روشن کر دیا۔(العیون ج ۲ صفحہ ۱۳۴)

سفر

آج کل مسلمانوں کی علمی دنیا میں جوافسردگی چھائی ہوئی ہے اس پر لحاظ کر کے یہ عنوان نرالا معلوم ہوگا۔موجودہ حالت دیکھ کر مشکل سے باور آسکتا ہے کہ کبھی ہم میں بھی ایسے لوگ تھے جو علم کی دُھن میں براعظم اور سمندر کا طے کر ڈالنا ایک آسان بات سمجھتے تھے جو ایک کتاب کی خاطر صدہا میل پیادہ پا جاتے۔اور جو صرف نباتات کے حالات تحقیق کرنے ملکوں ملکوں پھرتے۔اگر ان کے دلوں میں وہ جوش اور دماغوں میں وہ ولولہ نہ ہوتا۔تو ہم کو ابن بیطار اور سید شریف نصیب نہ ہوتے۔اور ابو حاتم رازی اور حافظ ابن طاہر کے کارنامے ہمارے قومی خیالوں میں فخر نہ پیدا کرتے۔

علمائے سلف کے حالات دیکھنے سے عیاں ہوتا ہے کہ اُن بزرگوں کے دل

میں شوق علم کی ایک بیتابی تھی جواُن کوکسی شہر یا ملک میں قرار نہیں لینے دیتی تھی اورایک سمندر سے دوسرے سمندر میں ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں لئے پھرتی اگر آج ہمارے دلوں میں اس کا ایک شمہ بھی ہوتا اتو ہم علم دفن میں ہر قوم وملت کے مقابلے میں پست نہ ہوتے۔اورحق یہ ہے کہ جب ہمارے ارادے پست ہماری ہمتیں قاصر ہورہی ہیں تو ہمارا اسلاف کے کارناموں پر اترانا اُن بزرگوں کے نام روشن کو دھبہ لگانا ہے اوراپنے آپ کوحقیر کرنا، جس ملت کے پیشوا کا یہ مقولہ ہو کہ اُطْلُبو االعُلمِ وَلَوْ بِالصِّین اُس ملت کے افرادکوسفر کا نام سن کرلرزہ چڑھے۔

هٰذَالعمری فی القیاس بَدیعٌ

اورجس قوم کے بچے بچے کے کان اس حکیمانہ مقولے سے آشنا ہوں کہ

تابدکاں خانہ درگروی ہرگزاے خام آدمی نشوی

وہ گھر سے قدم باہر نہ نکالے هٰذا لشیءٌ عجیب۔محدثین کے حالات پڑھنے سے لفظ رحلت بجائے خودایک مقدس لفظ معلوم ہونے لگتا ہے،حیف۔ایک وہ گروہ قُدسی تھا جس نے سیاحت کرتے کرتے خودلفظ میں تقدس پیدا کردیا۔اورایک ہم ہیں کہ گھر میں گھسے گھسے سارے عالم کے ذہن نشین کردیا کہ ’’مسلمان اورسفر‘‘ ان دونوں لفظوں میں کوئی مناسبت ہی نہیں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

یہ قصہ دراز ہے اورہم کودوسری داستان بیان کرنی ہے اس لئے اس سے قطع نظرکر کے ہم اپنے مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں سب سے اول ہم اُن سیاحتوں کا ذکرکریں گے جوعلمائے سلف نے احادیث نبویہ کے حاصل کرنے کے واسطے کیں

کیونکہ مسلمانوں کی علمی دُنیا میں سفر کا رواج ابتداء اسی پاک فن کی بدولت ہوا ہے محدثین کے سفر کا حال بیان کرنے کے بعد ہم ان علماء کا حال لکھیں گے۔جنہوں نے حدیث کے سوا اور علوم کے حصول ور دقائق علمیہ کے حل کرنے کے واسطے دور دراز ممالک کے سفر اختیار کئے تھے۔

محدثین کے علمی اسفار:

امام مالکؒ نے حضرت سعید بن المسیب تابعی سے روایت کی ہے کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر راتوں اور دنوں پیادہ پا چلا ہوں۔ (تذج ا صفحہ ۴۸) امام دارمی نے طلبِ حدیث میں حرمین۔خراسان عراق۔شام اور مصر کا سفر کیا تھا۔صحیح بخاری کے مصنف امام بخاری نے چودہ برس کے سن میں سیاحت شروع کر دی تھی اُن کی والدہ اور خواہر سفر میں نگران تھیں۔بخارا سے لے کر مصر تک سارے ممالک اُس عالی مقام امام کے سفر کی فہرست میں ہیں۔(تذج ۲ صفحہ ۱۳۴)

ابو حاتم رازی کی پیادہ روی:

امام ابو حاتم رازی نے اپنی سرگزشت خود بیان کی ہے کہ میں نے تین ہزار فرسخ سے زیادہ مسافت پیادہ پا طے کی تھی (ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے لہذا ان کی پیادہ روی نو ہزار میل سے زائد ہوئی) یہ ان کی سیاحت کی انتہا نہیں بلکہ شمار کی حد ہے کیونکہ امام ممدوح فرماتے ہیں کہ اُس کے بعد میں نے میلوں کا شمار کرنا چھوڑ دیا۔(تذج ۲ صفحہ ۱۴۷)

ابن جیون کے سفر کا جائزہ:

امام فسوی نے تیس برس سفر میں بسر کر دیے۔(تذج ۳ صفحہ ۱۶۰) شیخ

الاسلام بقی ابن مخلّد نے دوسواسی ۲۸۰ شیوخ سے حدیث روایت کی ہے خود انہوں نے فرمایا ہے کہ میں جس شیخ کے پاس گیا پیادہ پا گیا۔ (تذج صفحہ ۲۰۵)۔ محدث اندلس (اسپین) ابن جیون نے حدیث اُندلس۔ عراق حجاز اور یمن کے شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوکر اخذ کی۔ (تذج ۳ صفحہ ۴) یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے یہ سفر کس راستے سے کیا لیکن نقشے کے معائنے سے واضح ہوتا ہے کہ اگر یہ سفر دریا کے راستے سے کیا گیا تو پورا بحیرہ روم اور تمام وکمال بحر احمر انہوں نے طے کیا ہوگا۔ اور اگر خشکی میں کیا ہوگا تو طنجے سے لے کر سویز تک سارا بر اعظم افریقہ انہوں نے پیادہ سفر کیا ہوگا اس کے بعد اگر براہِ راست یمن آئے تو کُل بحر احمر میں سفر کر کے یمن پہنچے ہوں گے اور اگر بیت المقدس وغیرہ کی جانب چلے گئے ہوں گے تو شام وحجاز وعراق میں پھر کر انہوں نے منزل علمی ختم کی ہوگی۔ مگر چونکہ اُن کے سلسلۂ سفر میں مصر کا ذکر نہیں اس لئے غالباً بحری راستے سے یہ سفر ہوا ہے۔ کیونکہ خشکی کے راستے میں ضرور مصر پڑتا۔ اور یہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں کوئی طالب علم مصر جاتا اور وہاں کے مشائخ سے استفادہ نہ کرتا۔ اسپین سے یمن براہ راست ساڑھے تین ہزار میل سے زیادہ ہے۔

ابن المقری کا سفرنامہ:

ابن المقری بیان فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک نسخہ ابن فضالہ کی خاطر ستر ۷۰ منزل کا سفر کیا تھا۔ اُس نسخے کی ظاہری حیثیت یہ ہے کہ اگر کسی نان بائی کو دیا جائے تو وہ ایک روٹی بھی اس کے عوض میں دینا گوارا نہ کرے گا۔ (ایک منزل

معمولی طور پر بارہ میل علم کی خاطر طے کر ڈالتے تھے)اس کے علاوہ امام موصوف نے چار مرتبہ مشرق (ممالک ایشیا) اور مغرب (ممالک افریقہ واسپین) کا سفر کیا تھا اور دس دفعہ بیت المقدس گئے تھے۔(تذ ج ۲ صفحہ ۱۸۳)

ابن مفرّح کے اُسفار:

حافظ ابن مفرح نے سعید بن الاعرابی سے حدیث کی سماعت مکہ مکرمہ میں کی ۔ابن راشد سے دمشق میں ۔قاسم بن اصبغ سے قرُطبہ (کارڈوا ملک اسپین) میں ۔ابن سلیمان سے طرابلس میں ۔محمد سے مصر میں اور دیگر مشائخ سے جدہ ۔صنعا ۔اور بیت المقدس میں ۔(تذ ج ۳ صفحہ ۲۱۴) یہ مقامات اگر نقشے میں دیکھے جائیں تو تین براعظموں میں بکھرے ہوئے ملیں گے ۔قرطبہ یورپ میں ۔مصر افریقہ میں طرابلس سے مراد اگر طرابلس شام ہے تو ایشیا میں ہے ورنہ افریقہ میں باقی مقامات ایشیا میں ۔عبرت کا مقام ہے کہ جو مقامات ایک زمانے میں ہمارے پاک مذہبی علوم کے سرچشمہ تھے وہاں آج کوئی مذہب اسلام کا ماننے والا تو بڑی بات ہے جاننے والا بھی نہیں ۔اسپین میں اگر کوئی شخص اب جا کر سیاحت کرے تو کیا اُس کے گمان میں بھی آسکتا ہے کہ دنیائے اسلام کے نامور عالم اور مشائخ بیسیوں نہیں ،سینکڑوں ہزاروں اس سرزمین سے اٹھے تھے ۔ابن عبدالبر حمیدی ۔شیخ اکبر کہاں کے تھے؟ اِسی اسپین کے جو آج یورپ میں مل کر بھاگے ہوئے غلام کی طرح اپنے قدیم آقا کی صورت سے بیزار ہے ۔اگر ہم عبرت حاصل کریں تو ہماری آنکھیں کھولنے کے واسطے یہ واقعہ کم نہیں کہ مادرزاد نابینا حافظ الحدیث ابوالعباس رازی اپنے نبی پاکؐ کے اقوال

وافعال کے شیفتگی میں بلخ ۔ بخارا ۔ نیشاپور اور بغداد کا سفر کرتے پھرتے تھے ۔ (تذج ۳ صفحہ ۲۳۳) امام ممدوح باوجود یکہ دنیا کے دیکھنے سے محروم تھے تاہم اُن کی بھی سوانح عمری باب سیاحت سے خالی نہیں ۔ حیف ہم پر خدا کی دی ہوئی ایک چھوڑ دو دو آنکھیں رکھتے ہیں اور پھر بھی آنکھیں بند ہیں ۔ حافظ ولید سر قسطی (باشندۂ سراگوسا ملک اسپین) کے حالات میں امام ذہبی فرماتے ہیں رحل من اقصیٰ الا ندلُس الی خراسان یعنی انہوں نے انتہائے اندلس سے خراساں تک سفر کیا ۔ حافظ ممدوح سراگوسا میں پیدا ہوئے تھے اور سرزمین دینور (واقع ایران) میں آرام کر رہے ہیں ۔ (تذج ۳ صفحہ ۲۳۲، ۲۸۰، ۲۸۱)

امام ابو زکریا کے سفر کا آغاز بخارا سے اور انجام قیروان (واقع افریقہ) پر ہے ۔ (تذج ۳ صفحہ ۳۵۱)

حافظ ابن طاہر مقدسی کے اسفار:

حافظ ابن طاہر مقدسی نے جتنے سفر طلبِ حدیث میں کئے ان میں کبھی انہوں نے کسی سواری کا سہارا نہیں لیا ۔ سفر اور بار برداری دونوں کا کام وہ اپنے ہی نفس سے لیتے تھے ۔ سفر پیادہ پا کرتے تھے اور کتابوں کا پشتارا پشت پر ہوتا تھا ۔ مشقتِ پیادہ روی کبھی کبھی یہ رنگ لاتی کہ پیشاب میں خون آنے لگتا ۔ اسی جفاکشی سے جو سیاحت حافظ ممدوح نے کی اُس میں حسب ذیل مقامات منجملہ اور مقاموں کے تھے بغداد مکہ مکرمہ جزیرۂ تنیس ۔ (واقع بحیرہ روم) دمشق ۔ حلب ۔ جزیرہ ۔ اصفہان ۔ نیشاپور ۔ ہرات ۔ رُحبہ ۔ لوقان ۔ مدینۂ طیبہ ۔ نہاوند ۔ ہمدان ۔ واسط ۔ سادہ ۔ اسد

آباد۔انبار۔اسفرائن۔آمل۔اہواز۔بسطام۔خسروجرو۔جرجان۔آمد۔استرآباد ۔بونج۔بصرہ۔دینور۔ری۔سرخس۔شیراز۔قزوین۔کوفہ۔

ایک سوبیس مقامات کا سفر:

حافظ ابوعبداللہ اصفہانی ایک مرتبہ اپنے مقاماتِ رحلت کی تفصیل بیان کرنے لگے کہ میں حدیث حاصل کرنے گیا ہوں۔طوس۔ہرات۔بلخ۔بخارا۔سمرقند۔ کرمان۔نیشاپور۔جرجان۔غرض اسی طرح وہ نام لیتے گئے یہاں تک کہ ایک سوبیس مقامات کے نام لے ڈالے۔(تذج ۴ صفحہ ۵۳)

میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ایک سوبیس مقاموں کے نام مسلسل لئے جائیں تو سننے والے گھبرا جائیں گے آفرین اُس باہمت جوان مرد پر جو اتنے مقاموں کا سفر کرتے کرتے نہیں گھبرایا۔

بچپن سے علمی سفر کا شوق:

واقعہ ذیل اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ کیسا شوق علم کے واسطے سفر کرنے کا ان دنوں مسلمانوں کے دلوں میں تھا۔امام اسمٰعیلی نے جب محمد بن ایوب رازی کی خبر وفات سنی تو روئے۔چیخے۔کپڑے پھاڑ ڈالے۔اور سر پر خاک ڈالی اُن کی پریشانی دیکھ کر سارے گھر والے جمع ہو گئے اور پوچھا کہ خیر ہے کیا حال ہے۔اُنہوں نے دلگیر ہو کر کہا کہ تم لوگ مجھ کو سفر کرنے سے روکتے رہے۔آخر محمد بن ایوب وفات پا گئے اب میں ان کو کہاں پاؤں گا گھر والوں نے تسلی دی اور انتظام کر کے ماموں کے ہمراہ شہر نسا کو ایک دوسرے شیخ وقت ابن سفیان کی خدمت میں بھیج دیا۔اسمٰعیلی کا سن اُس

وقت سترہ ۱۷ برس کا تھا تاہم اتنی عمر تک بھی گھر میں بیٹھا رہنا انہوں نے مصیبت خیال کیا۔

اسی کے قریب قریب امام ابوسعد کا واقعہ ہے کہ جب وہ سولہ برس کی عمر میں سفر کر کے حافظ ابونصر زینبی سے پڑھنے بغداد گئے تو وہاں پہنچ کر ان کی وفات پانے کی خبر سنی۔ اس جگر خراش خبر نے ایسا صدمہ ابوسعد کے دل کو پہنچایا کہ وہ چیخ کر روئے۔ طمانچوں سے منہ لال کر لیا۔ اور حسرت سے کہا کہ **من این لی علی بن الجد عن شعبة**۔ (تذج ۴ صفحہ ۸۰)

امام عزالدین مقدسی چودہ برس کی عمر میں تحصیل علم کے واسطے بغداد پہنچ گئے تھے۔ (تذج صفحہ ۱۹۳)۔ حافظ ابوالخطاب اُندلسی نے تحصیل علم کی غرض سے اولاً تمام ملک اسپین میں سفر کیا، وہاں سے فارغ ہو کر مراکش (مراکو) آئے۔ مراکش اور دیگر ممالک حبش کی سیاحت کے بعد مصر پہنچے اور مصر کے بعد شام۔ عراق عرب۔ عراق عجم اور خراسان کا سفر کیا۔ اور اس طرح تین براعظم اُن کے ملک پیما قدموں کے نیچے سے نکل گئے۔ (ابن ج ا صفحہ ۳۸۱)۔ امام ابوالولید شہر باجہ میں (جو اشبیلیہ کے متصل اسپین میں واقع تھا) پیدا ہوئے تھے۔ علوم عقلیہ پڑھنے کے واسطے سفر کر کے موصل آئے اور وہاں ابوجعفر سمنانی سے ان علوم کو حاصل کیا۔ (تذج ۳ صفحہ ۳۷۱)

امام کسائی کا علم ادب کے لیے سفر:

فن ادب کے مشہور امام کسائی ایک مجلس علما میں اکثر جایا کرتے تھے۔ ایک دن جو وہاں پہنچے تو بہت خستہ ہو گئے تھے۔ اپنی خستگی ظاہر کرنے کے لئے انہوں نے کہا

اعییت (بالتشدید) یعنی میں تھک گیا۔ اہل مجلس نے ٹوکا کہ تم غلط لفظ استعمال کر رہے ہو انہوں نے وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ اگر تمہاری مراد ماندگی ہے تو اعییتُ کہو اور اگر درماندگی کا اظہار مقصود ہے تو لفظ عییت (بالتخفیف) استعمال کرو۔ کسائی کے دل پر اس اعتراض سے ایک چوٹ لگی اور فوراً مجلس سے باہر نکل آئے اور دل میں یہ تہیہ کر لیا کہ ان کو فن سیکھنا چاہئے جس سے پھر آئندہ ایسی خِفّت کے ساتھ کسی محفل میں حاضر نہ ہو۔ یہ عزم کر کے کسائی فنِ ادب کے استاد یگانہ روزگار خلیل بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے ادبِ عربی کی تحصیل کرنے لگے مگر جو رتبہ امامت ان کو اس فن میں ملنے والا تھا اُس کے حصول کے لئے خلیل کی مجلس کافی نہ تھی۔ ایک دن ایک بدوی نے اُن پر یہ طعن کیا کہ تم کانِ ادب بنی تمیم اور بنی اسد کو چھوڑ کر عربیت حاصل کرنے بصرے آئے ہو۔ یہ چبھتا ہوا فقرہ کسائی کے دل میں اثر کر گیا اور اپنے علامہ اُستاد سے کسی موقعے پر انہوں نے پوچھا کہ آپ نے فن ادب کہاں سیکھا۔ اُستاد نے جواب دیا کہ حجاز۔ تہامہ اور نجد کے جنگلوں میں۔ اب کیا تھا کسائی کے سر میں ایک تازہ سودا پیدا ہوا اور شہر چھوڑ کر صحرا کی راہ لی۔ اور قبیلہ در قبیلہ اتنے پھرے کہ اس فن کے امام بن گئے۔ جس کے نہ جاننے سے شرمندہ ہونا پڑا تھا۔ کیا مبارک تھی کسائی کی غلطی جس نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو صحیح عربی پر قادر کر دیا۔ اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگلے مسلمانوں کی علمی حمیت کیسی حساس تھی جس کو جوش میں لانے کے لئے ادنیٰ تحریک کافی ہوتی تھی۔ شاید بے جا نہ ہوگا اگر ہم اس کی اور دو ایک مثالیں ہدیۂ ناظرین کریں۔

سیبویہ کو بھی ایک لغزش نے سفر پر مجبور کیا:

ایک دوسرے امام ادب سیبویہ کا قصہ ہے کہ ابتداً طالبِ علمی میں وہ فقہ اور حدیث پڑھا کرتے تھے۔نحو سے اُس وقت تک اُن کو چنداں مناسبت نہ تھی۔اِس زمانے میں وہ حماد بن سلمہ کے مُستملی بھی تھے ایک روز کسی حدیث کی روایت میں حماد نے الفاظ لیس ابا الدرداء املا کئے۔سیبویہ نے ان کو ادا کرتے وقت لیس ابو الدرداء سامعین کو سنایا۔شیخ نے کہا کہ غلط لفظ مت بتاؤ۔لیس ابا الدرداء کہو۔ اس گرفت سے سیبویہ کو نہایت انفعال ہوا اور انہوں نے دل میں کہا کہ میں وہ علم کیوں نہ سیکھوں جو ایسی غلطیوں سے محفوظ رکھے چنانچہ اُنہوں نے نحو سیکھنی شروع کی اور اس جہد اَور کوشش سے سیکھی کہ سیکڑوں برس سے طلبہ ان کا نام لے لے کر نحوی ہو رہے ہیں۔(نزہتہ صفحہ ۷۲)

شطرنجی قاضی سے طبیب ابوبکر کیسے بنا؟

اشبیلیہ کے مشہور طبیب قاضی ابوبکر کو آغاز عمر میں شطرنج کی بہت لت تھی ۔مثل ہے کہ کار بکثرت۔اس کھیل کی کثرت نے اتنا ماہر کر دیا کہ اُن کا لقب شطرنجی پڑ گیا۔یہ ذلیل لقب قاضی صاحب کے دل کو صدمہ پہنچاتا تھا۔آخر اُن کی غیرت نے یہ مشورہ دیا کہ کسی علم میں کمال پیدا کرنا چاہئے تا کہ اس علم کی نسبت یہ داغ بدنامی مٹا دے۔غور کر کے انہوں نے طِب کو اپنے واسطے پسند کیا اور اُس فن شریف میں وہ کمال اور نام پیدا کیا کہ آج قریباً سات سو برس کے بعد اُنکا حال آپ میرٹھ میں سن رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ اِس نام آوری کے سامنے وہ بدنام کنندہ لقب کیا ٹھہرتا۔لوگ ابوبکر

طبیب کو دیکھ کر شطرنجی قاضی صاحب کو بھول گئے۔ (عیون ج ۲ صفحہ ۸۰)

ابن جنی کا علمی پختگی کیلئے مسند تدریس چھوڑنا:

ادیب مشہور ابن جنی موصل میں فن نحو کا درس دیا کرتے تھے ایک روز اسی میدان کے شہسوار ابوعلی فارسی وہاں وارد ہوئے۔ اور ایک مسئلے میں جو ابن جنی سے الجھے تو وہ دم بخود رہ گئے۔ ان کو حیران دیکھ کر پختہ کار ابوعلی نے طنزاً کہا ذببت قبل ان تحصرم اور اتنا کہہ کر وہاں سے چلے آئے۔ اُن کے چلے آنے کے بعد ابن جنی نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون تھے۔ لوگوں نے کہا ابوعلی فارسی یہ سن کر ابن جنی نے مسند تدریس وہیں چھوڑی اور ابوعلی کی شاگردی کے شوق میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب تک یہ اُن کی فرودگاہ پر آئیں وہ روانہ ہو چکے تھے۔ آخر اگلی منزل پر جالیا اور تلمذ کی آرزو ظاہر کر کے ساتھ ہو لیئے۔ جب تک ابوعلی زندہ رہے انہوں نے اُن کا دامنِ عاطفت نہیں چھوڑا۔ اور اس طرح داغ خامی اپنے دامن حال سے چھڑا ڈالا۔

(نزہتہ صفحہ ۴۰۸)

آمدم برسرِ مطلب امام نضر بن شمیل نے چالیس برس صرف مختلف قبائل کی زبانوں کی تحقیقات کی خاطر صحرائے عرب میں بسر کردئے۔ (نزہتہ صفحہ ۱۱۱)

علم نباتات (باٹنی) کے حصول کیلئے سفر:

اندلس کے طبیب ابن رومیہ اُن نباتات کے حالات دریافت کرنے کے لئے جو مغرب میں پیدا نہیں ہوتیں مدتوں سیاحت کی۔ اسپین سے مصر آئے اور مصر سے شام وعراق کا سفر کیا اِن ممالک کے تمام نباتات کو خاص اُن کی روئیدگی کے

مقامات میں جا کر مشاہدہ کیا اور اُن کے افعال وخواص کی تحقیات کی ۔ (عیون ج ۲ صفحہ ۸۱) ۔ اسی طرح علم نباتات کے بے نظیر عالم ضیاء الدّین ابن بیطار نے خاص نباتات کی تحقیقات کی غرض سے ممالک روم ۔ یونان اور اسپین کو چھان ڈالا ۔ ان ملکوں کی تمام بوٹیوں کو ان کی پیدائش کی جگہ دیکھا ۔ اور اُن کے احوال تحقیق کر کے قلمبند کئے ۔ (عیون ج ۲ صفحہ ۱۳۳) ابوالمنظور نے بہت سے نئے نباتات ایسی دریافت کیں جن کا ذکر متقدمین کی کتابوں میں نہ تھا ۔ اُن کا طریقہ یہ تھا کہ جو مقاماتِ روئیدگی نباتات کے واسطے مشہور تھے مثلاً جبل لبنان (شام) اُن میں پھرتے اور بوٹیوں کو دیکھتے اور جانچتے ۔ ایک مصوّر ان کے ہمراہ رہتا جس کے پاس ہر رنگ کی روشنائی مہیا رہتی ابوالمنظور نباتات کا خود مشاہدہ کر لینے کے بعد مصوّر کو دکھلاتے اور وہ اس کے رنگ ۔ شاخ اور برگ و بیج کا اندازہ کر کے ہو بہو اس کی تصویر کھینچتا ۔ یہ محقق طبیب ایک بار کے مشاہدے پر قانع نہ ہوتا ۔ بلکہ نشو ونما کے مختلف مدارج میں نباتات کا معائنہ کرتا ۔ ایام نمود و تازگی کی علیٰحدہ تصویر کھچواتا اور زمانہ کمال کی جدا ۔ اور جب وہ بوٹی خشک ہو جاتی تو ایک تیسرا نقشہ لیا جاتا ۔ اسی طرح ہر بوٹی کی تصویریں اس نے اپنی کتاب میں (جو ادویۂ مفردہ کے حال میں تھی) درج کی تھیں ۔ جن کو دیکھ کر ناظرین کتاب اُن نباتات کے مختلف اشکال صحیحہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے تھے ۔

علامہ سید شریف اور طلب علم کا شوق:

کاش اُن دنوں میں چھاپا ہوتا تو آج ایک عمدہ ثبوت اگلے مسلمانوں کی علمی تحقیقات کا ہم پیش کر سکتے ۔ (عیون ج ۲ صفحہ ۲۱۹) ۔ علامہ سیّد شریف کو ایامِ

طالب علمی میں یہ شوق ہوا کہ شرح مطالع خود اُس کے مصنف سے پڑھیں۔ اُسی دُھن میں وہ ہرات پہنچے۔ علامہ رازی سے ملے۔ اُن کی عمر اُس وقت دسویں منزل کی انتہا پر پہنچ چکی تھی اور قویٰ اپنی آخری بہار دکھا رہے تھے۔ کہن سال علاّمہ نے جواں ہمّت سیّد کو پڑھانا اپنی طاقت سے باہر سمجھ کر ان سے کہا کہ تم میرے شاگرد مبارک شاہ کے پاس قاہرہ چلے جاؤ اس کا پڑھانا میرا پڑھانا ہے اور چلتے وقت ایک سفارشی تحریر لکھ دی۔ میر سیّد شریف کا شوق اُن کو خراساں سے مصر لے پہنچا۔ قاہرہ پہنچ کر وہ مبارک شاہ سے ملے اور استاد کا خط اُن کو دیا۔ سفارش کے اثر سے یہ حلقۂ درس میں تو داخل کر لئے گئے۔ لیکن نہ اُن کا مستقل سبق مقرر ہو سکا اور نہ جماعت میں قرأت کی اجازت ملی مجبوراً سماعت پر قانع ہونا پڑا ایک شب مبارک شاہ صحن مدرسہ میں ٹہل رہے تھے کہ ایک جانب سے کسی کی آواز کان میں آنے لگی۔ متوجہ ہو کر سنا تو میر سیّد شریف کہہ رہے تھے قال المصنّفُ کذاوقال الاستاذُ کذا وَاَقُوْل کذا خوبیٔ بیان مبارک شاہ کے دل میں گھر کر گئی۔ اور صبح کو انہوں نے سیّد جُرجانی کو سب طَلبہ پر مقدم کر دیا۔
(شق ج ا صفحہ ۱۶۸)

ابن بطوطہ کی سیاحت:

جہاں پیما ابن بطوطہ جب اسکندریہ پہنچا تو شیخ روزگار برہان الدّین اعرج کے حضور میں بھی گیا۔ شیخ نے اثنائے ملاقات میں اُس سے اپنے تین بھائیوں کو سلام پہنچانے کی فرمائش کی۔ جن میں سے ایک فرید الدّین نامی ہند میں تھے دوسرے زین الدّین سندھ میں اور تیسرے برہان الدّین چین میں۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے دورانِ

سیاحت میں ان سب کو مقامات مذکورہ میں پایا اور مشتاق بھائی کا سلام پہنچا دیا۔

(رحلتہ ج ا ص ۱۱)

اُبو حاتم رازی کی کہانی خود ان کی زبانی:

اُس زمانے میں سفر جن مصیبتوں سے ہوا کرتا تھا اور سیاحت میں جو صعوبتیں اُٹھانا پڑتی تھیں وہ ذیل کے واقعے سے خیال میں آسکتی ہیں۔

امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں کہ سفر میں ایک دفعہ میں جہاز سے اُترا تو خرچ بالکل پاس نہیں رہا تھا۔ میرے رفیق اور تھے ان کا بھی مضمون واحد تھا ہم تینوں نے تین دن فاقے سے پیدل سفر کیا آخر تیسرے دن ایک مقام پر کثرت ضعف نے تھکا کر گرا دیا اُن دونوں رفیقوں میں ایک بیچارہ بڈھا تھا وہ گرتے ہی بیہوش ہو گیا۔ ذرا دیر کے بعد ہم دونوں نے پھر کمر ہمّت باندھ کر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا بڈھے کو دیکھا تو بالکل غافل تھا۔ مجبوراً اس کو وہیں چھوڑا اور ہم آگے بڑھے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ میرے حواس نے جواب دیا اور میں بھی غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ رفیق بڈھے کی طرح مجھ کو بھی راہ میں پڑا چھوڑ کر خود آگے بڑھا۔ حسنِ اتفاق سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اُس کو ایک کشتی نظر پڑی۔ جس نے قریب ہی ایک مقام پر اپنے مسافر اتارے۔ مسافروں کو دیکھ کر اُس نے اظہارِ مصیبت کے لئے اپنی چادر ہوا میں اُڑائی یہ نشانِ بیچارگی دیکھ کر مسافر اس طرف متوجہ ہوئے اور ان میں سے کچھ لوگ اُس کے پاس آئے اور تشنگی سے اُس کو بے دم دیکھ کر پانی پلایا جب پانی پی کر اُس کو تسکین ہوئی تو اس نے کہا کہ میرے دو رفیق اور اُسی مصیبت کے مارے پیچھے چُھٹ گئے ہیں اُن

کی خبر گیری ضروری ہے۔ مہربان مسافر یہ سن کر ہماری طرف آئے، میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک آدمی منہ پر پانی کے چھینٹے دے رہا تھا جب مجھ کو ہوش آ گیا تو پانی پلایا۔ اُس کے بعد ہم سب مل کر بیکس بڈھے کے پاس گئے اور اس کی بھی خدمت کی۔ آخر ہم نے ایک مقام پر چند روز ٹھہر کر آرام کیا تب جان میں جان آئی۔ (تذ ج ۲ ص ۱۴۷)

حیف! ہمارے اسلاف ایسے اور ہم ان کے اخلاف ایسے کہ ہمارے مقابلے میں دنیا کی ساری قومیں علم وحکمت کے زیادہ قدر شناسی کی مدعی ہیں۔ اگر پچھلی ہمت کا ادنیٰ اثر بھی ہم میں ہوتا تو آج امتحانِ مقابلہ ہمارے واسطے ایک مہیب مسئلہ نہ قرار پاتا اور ہر صیغے اور شعبے میں ہم رعایت کی ذلیل صدا بلند نہ کرتے جس طرف کان لگایئے مسلمان طلبہ اور اسلامیہ مدارس میں افلاس افلاس کی صدا بلند ہے۔ انصاف بالائے طاعت است۔ لاکھ افلاس سہی۔ لیکن چقندر کے پتے اور جڑی بوٹی کھانے کا اتفاق تو نہیں ہوتا۔ سچ یہ ہے کہ شوق اور ہمت نہیں ورنہ یہی کڑوے گھونٹ شربت کی طرح گوارا ہو جاتے۔ اور ساری سخت منزلیں آسان ہو جاتیں۔

کتابوں کا لکھنا

چھاپے نے زمانے میں کتابوں کا وجود اتنا آسان کر دیا ہے کہ اب اُس وقت کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ جو پہلے زمانے میں کتابوں کے بہم پہنچانے میں پیش آتی تھی۔ آج کل عمدہ سے عمدہ کتاب دام خرچ کرنے سے بلا دشواری مل سکتی ہے لیکن اس وقت یہ بات کہاں تھی۔ جو بھاری کام اب سیسہ اور پتھر نے اٹھالیا ہے اس وقت کے طلبہ کو خود کرنا پڑتا تھا۔ یعنی وہ اپنے واسطے کتابیں خود لکھتے تھے گویا اپنے چلنے

کے واسطے اُن کو سڑک بھی خود بنانا پڑتی تھی۔ شقائق نعمانیہ میں لکھا ہے کہ ابتداءً جب علامہ تفتازانی کی تصانیف روم میں پہنچیں اور درس میں مقبول ہوئیں تو اُن کے نسخے دام خرچ کرنے پر بھی نہیں ملتے تھے مجبوراً علامہ شمس الدین کو علاوہ جمعے اور سہ شنبے کی معمولی تعطیلوں کے دوشنبے کی تعطیل مدارس میں اور مقرر کرنا پڑی۔ پس ہفتے میں تین دن طلبہ کتابوں لکھتے تھے اور چار دن پڑھتے تھے۔ (تذج ۳ ص ۲۲)۔ کثرتِ مشق اور رات دن کے لکھنے نے اگلے لوگوں کو تحریر پر ایسا قادر کر دیا تھا کہ اب ان کی حکایتیں مشکل سے باور ہوتی ہیں۔

ابن فرات بغدادی کی کتابیں:

حافظ ابن فرات بغدادی نے جب وفات پائی تو کتابوں کے اٹھارہ صندوق چھوڑے جن کتابوں سے اٹھارہ صندوق بھر گئے تھے ان میں سے اکثر خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ خوبی تحریر کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ محدثین کے نزدیک ان کی لکھی ہوئی کتابیں صحت نقل اور جودت ضبط میں حجت اور سند خیال کی جاتی تھیں (تذج ۴ ص ۱۳۸)

ابن جوزی کے تصانیف:

سبط ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا (شیخ ابن جوزی) کو ایک بار سر منبر یہ کہتے سنا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں جس شیخ وقت نے ڈھائی سو کتابیں تصنیف کر ڈالی ہوں اس کا دو ہزار جلدیں لکھ لینا ناممکن نہیں (تذج ۱ ص ۲۷۹) جن قلموں سے انہوں نے حدیث شریف کی کتابیں لکھی تھیں ان کا

تراشہ جمع کرتے گئے تھے جب وہ وفات پانے لگے تو وصیت کی کہ میرے غسل کا پانی اسی تراشے سے گرم کیا جائے چنانچہ جس پانی سے ان کی غسل دیا گیا اس کے نیچے وہی پاک ایندھن جلایا گیا تھا (ابن ج ۱ ص ٦٥)

حضرت یحییٰ بن معین نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں (تذج ۲ ص ۲۷۹)

امام ابواسامہ کوفی نے ایک سو دس برس کی عمر میں وفات پائی تاہم سلسلہ تحریر آخر عمر تک قائم رہا ان کے بیٹے نے بیان کیا ہے کہ میرے والد نے جب اشعار عرب مدون کئے تو کچھ اوپر اسی ۸۰ قبائل کا کلام تھا۔ جب وہ ایک قبیلے کا کلام شائع کر چکتے تو اس کے شکرانے میں ایک نسخہ کلام اللہ کا لکھ کر مسجد میں پہنچا دیتے۔ اسی طرح اسی ۸۰ سے زیادہ نسخے کلام پاک کے انہوں نے لکھ کر وقف کر دے (تذج ۲ ص ۲۲)

قوت تحریر کی مثالیں:

بعد وفات امام ابوجعفر طبری کی تصانیف کا حساب لگایا گیا تو ابتدائے شباب سے یوم رحلت تک چودہ ورق روزانہ کا اوسط پڑا۔ اور عام تحریر کا اندازہ کیا گیا تو چالیس ۴۰ ورق یومیہ ہوئے حکیم بلمظفر مصری کے حال میں علامہ ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں۔ عجیب تر یہ بات ہے کہ ان کے کتاب خانہ میں ہزاروں کتابیں ہر فن کی تھیں۔ مگر کوئی کتاب کسی فن کی ان کے یہاں کی ایسی نہیں ملتی جس پر خود ان کے قلم کی کچھ نفیس و نادر باتیں فن کے کتاب کے مناسب لکھی ہوئی نہ ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنی آنکھ سے بکثرت طب اور دیگر فنون کی کتابیں حکیم مذکور کے کتاب خانے کی دیکھی ہیں۔ جن پر

ان کا نام اور فوائد متفرقہ متعلق کتاب درج تھے۔ (تذ ج ۲ ص ۲۷۹)

قوت تحریر پر واقعہ ذیل بھی عمدہ شاہد ہے:

مفتی قسطنطنیہ ابو سعود رومی نے بارہا ایک ایک دن میں ہزار ہزار رقعوں کا جواب لکھ ڈالا جن میں سے ایک بھی خوبی اسلوب اور حسن معنی کے لحاظ سے گرا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ (اعیون ج ۲ ص ۱۰۸)

﴿ توجہ کامل اور شوق طلب ﴾

اس عنوان کے ضمن میں جو واقعات آگے مذکور ہوتے ہیں ان میں آپ علماء کو زندگانی کی مختلف سختیوں میں پائیں گے۔ کسی کو آپ سرد ملک میں شب کو مسجد کے دروازے پر کھڑا دیکھیں گے۔ کوئی بزرگ شدت گرما کے باعث پانی کے ایک بڑے ظرف میں بیٹھے ملیں گے۔ کوئی عالم آپ کو بوریے پر دراز نظر آئیں گے۔ کوئی اپنے جانی دشمن حاکم وقت کے خوف سے صحرا میں روپوش ملیں گے۔ کسی کے دل میں "العشق نارٌ تحرق ماسوی المطلوب" کا جلوہ دکھائی دے گا غرض مختلف گرم وسرد حالات جو ایک انسان پر گذر سکتے ہیں۔ ان پر آپ گذرتے دیکھیں گے لیکن ہر حال میں آپ ان کے دل اطمینان سے اپنے مطلوب یعنی علم کی طلب میں مشغول پائیں گے۔ اور واقعات ثابت کریں گے کہ حوصلہ فرسا حوادث ان کے دلوں میں علم کی جانب سے تفرقہ پیدا کرنے میں قاصر تھے۔ بعض صورتوں میں آپ دیکھیں گے کہ وہ بظاہر ایک کام میں مصروف ہیں مگر قلب ان کا علم کی جانب ہے کوئی حکیم سو، سو مرتبہ ایک ایک کتاب کا مطالعہ کرتا ہے۔ کسی فقیہ کے زیر مطالعہ ایک ایک کتاب پچاس

پچاس برس رہی ہے ان تمام واقعات سے آپ کو ان کی توجہ کامل اور ماسوا سے بے نیازی کا پورا پتہ ملیگا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حصول کمال کی جانب جب تک انسان اپنے دل کو پورے طور سے مائل نہ کردے کمال حاصل ہو نہیں سکتا۔ اس زمانے میں مسلمان بھی مدارس کے حجروں میں اپنی عمریں صرف کردیتے ہیں پڑھتے پڑھتے بوڑھے ہو جاتے ہیں مگر کمال تو بڑی چیز ہے اس کا کوئی شمہ بھی ان میں نظر نہیں آتا۔ کوئی اس کے اسباب کچھ ہی بتائے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ صرف توجہ اور ہمت کا تفاوت ہے اگر ہم وہی توجہ پیدا کرلیں تو وہ کمالات پھر پیدا ہو سکتے ہیں۔ آیہ پاک۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى صاف صاف بتلا رہی ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی کوشش کا پھل پاتا ہے جو کتابیں علماء کے حالات میں طبقات کے طور پر لکھی گئی ہیں ان پر نظر غائر ڈالی جائے تو عیاں ہوتا ہے کہ جتنا طبقہ بہ طبقہ جہد طلب میں تفاوت آتا گیا اسی قدر درجہ بدرجہ کمالات علمیہ میں تنزل ہوتا گیا۔ سلک الدُّرَر میں (جو بارھویں صدی کے علماء کے حالات میں ایک ضخیم کتاب ہے) ایک بھی عالم پانچویں یا چھٹی صدی کے علمائے کے مثل نظر نہیں پڑتا اس کے ساتھ ہی ایک بھی بارھویں صدی کے عالم کی جہد طلب پانچویں یا چھٹی صدی کے علماء کی جانفشانی کے مشابہ نہیں۔ اگر ہم سلک الدُّرر کے کسی عالم کے حالات ان حالات کے مثل پائیں جو ابن خلکان یا نزہتہ الالبا کے علماء کے ہیں اور پھر دیکھیں کہ ویسے کمال کو اول الذکر نے نہیں پایا تو بیشک ہم کو توجہ اور شوق کے سوا کسی اور سبب کے تلاش کی ضرورت پیش آئے گی۔ لیکن جب ہم ہمتوں کا تفاوت پاتے ہیں تو پھر رفع الزام کیلئے اور اسباب کا پیدا کرنا روش حق سے بعید ہے۔

خیال بالا کو واقعات ذیل سے ملایئے اور اس طرح اس کی صحت یا غلطی خود

بخود منشکف ہو جائے گی۔کمال توجہ کا اظہار فارسی کی اس مثل میں کیا گیا ہے۔

دل بیار و دست بکار

امام دارقطنی کا کامل توجہ:

امام دارقطنی ایک مرتبہ ابتدائے سن میں اسمعیل صفار کی مجلس املا میں حاضر تھے۔شیخ تو املا میں مصروف تھے اور یہ ایک کتاب کی نقل کرتے جاتے تھے ایک شخص ان کی یہ بے توجہی دیکھ کر جھنجھلایا اور کہا کہ تم نقل کتاب میں مصروف ہو پھر تمہارا سماع کس طرح قابل وثوق ہوسکتا ہے۔دارقطنی نے یہ اعتراض سن کر کہا کہ سماع سماع میں فرق ہوتا ہے تو تم ہمہ تن متوجہ ہو کر سن رہے ہو تو بتلاؤ تو شیخ نے اب تک کتنی حدیثیں روایت کی ہیں۔معترض کو مجموعی تعداد کا خیال نہ تھا لہٰذا اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔دارقطنی نے کہا کہ اٹھارہ حدیثیں اس وقت تک املا ہوئی ہیں۔پہلی کا یہ متن ہے یہ اسناد۔دوسری کا یہ متن ہے یہ اسناد۔غرض اسی طرح وہ ساری حدیثیں سنا دیں۔ حاضرین ان کا ضبط دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

حافظ کبیر اثرم کا بیک وقت دو سماع:

ایک مرتبہ دو شیخ خراسان سے مکہ مکرمہ میں آئے اور حرم محترم کے دو جانب بیٹھ کر انہوں نے ایک ہی وقت میں روایت حدیث کی۔دونوں کے سامعین اور مستملی

(نوٹ: اگلے زمانے میں طریقہ تعلیم یہ تھا کہ استاد کسی اونچے مقام پر بیٹھ کر کسی موضوع کی نسبت زبانی تقریر کرتا تھا۔اور شاگرد اس کو سنتے اور ضبط کرتے تھے اور طریقے کا نام املا تھا۔وقت ضرورت ایک یا زائد اشخاص اس غرض سے کھڑے

ہو جاتے تھے کہ استاد کے الفاظ بجنسہ شاگردوں تک پہنچاتے جائیں ان لوگوں کو مستملی کہتے تھے یہ طریقہ یورپ کے لیکچر کے طریقے کے مشابہ تھا)

جدا جدا تھے۔ حافظ کبیر اثرم دونوں کے بیچ میں بیٹھ گئے اور دونوں کا بیان برابر لکھتے رہے۔

بیشک یہ توجہ کی یکسوئی کا ایک کرشمہ تھا جس نے ایک سامع کو دو سامعوں کی قوت دیدی۔ بہت سے حاضرین مجلس ایسے ہوتے ہیں کہ سب کچھ سننے کے بعد بھی ان کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا سنا اور اور کم توجہی ان کو نزدیکان بے بصر کا خطاب دلاتی ہے (تذ ج ۱۴۹۳)

محدثین نے سردی وگرمی کو علم پر اثر انداز نہیں کیا:

علی بن محسن راوی ہیں کہ ایک شب میں نماز پڑھ کر مسجد سے باہر آنے کو حضرت عبداللہ بن المبارک کے ساتھ ساتھ اٹھا۔ اس رات کو سردی کی بہت شدت تھی دروازے پر پہنچ کر ابن مبارکؒ نے ایک حدیث کا ذکر چھیڑا جب وہ فرما چکے تو میں نے اس کی نسبت کچھ کہا میرے بعد پھر انہوں نے کچھ بیان کیا۔ غرض اسی طرح سلسلہ کلام جاری تھا کہ مؤذن نے فجر کی اذان دیدی۔ اور ہم دونوں مسجد کو لوٹ آئے (تذ ج ا ص ۲۵۲) حافظ حدیث حمیدی میورقی جزیرہ میورقہ میں پیدا ہوئے شام وعراق میں علم حاصل کیا اور بغداد میں آکر رہے گرمیوں میں جب شب کو لکھنے بیٹھتے اور گرمی ایذا پہنچاتی تو ایک بڑے سے ظرف میں پانی بھر کر اس میں بیٹھتے اور لکھتے (نزہتہ ص ۳۲)

ابن العلاء کو علم جان سے زیادہ عزیز تھا:

ابوعمرو بن العلاء (امام ادب) ایک زمانے میں سفاک حجاج ابن یوسف کے خوف سے صحرائے عرب میں بھاگے پھرتے تھے۔ ادھر تو جان کے لالے پڑ رہے تھے ادھر اس علامہ ادب کو یہ تلاش تھی کہ آیا لفظ فرجہ (بمعنی کشائش) بالضم ہے یا بالفتح ایک روز اثنائے بادپیمانی میں ایک قائل کو انہوں نے یہ شعر پڑھتے سنا۔

ربما تجزع النفوسُ من الا مرله فَرُجَةٌ کَحَلِّ الْعِقَال

فرجہ کو اسنے زبر سے ادا کیا۔ یہ شعر پڑھ کر وہ بدوی ابوالعلا کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ سنتے ہو ظالم حجاج مر گیا۔ ابوالعلا کہتے ہیں کہ مجھ کو اس وقت یہ تمیز نہ ہو سکا کہ آیا میں کس بات سے زیادہ خوش ہوا لفظ فرجہ کے صحت ہو جانے سے یا اپنے عدوئے جانی کی خبر وفات پانے سے۔ اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شیفتہ علم کے نزدیک ایک ایک علمی مسئلہ جان کے برابر عزیز تھا اسی کی بدولت ابوالعلا کو یہ بلند مرتبہ حاصل ہوا کہ امام فن قرار پائے۔ جو لوگ اپنی جسمی آسائیشوں کو بھی علم پر قربان نہ کر سکیں وہ کیا شان حاصل کر سکتے ہیں۔ اب مدرس بہت اور مدارس بہت لیکن شوق اور ہمت نایاب اس لئے ہماری علمی محفلوں میں ہر طرف سناٹا سا ہے۔

ایک تصنیف چالیس سال میں:

ابوعبید بن سلام نے ایک بار اپنے تلامذہ سے کہا کہ میں نے چالیس برس اپنی کتاب غریب الحدیث کی تصنیف میں صرف کئے ہیں اکثر فوائد مجھ کو لوگوں سے باتوں باتوں میں ہاتھ لگ جاتے تھے اور میں ان کو موقع موقع سے اس کتاب میں

درج کرتا جاتا تھا ان فائدوں کے حاصل ہونے سے اتنی خوشی مجھ کو حاصل ہوتی کہ میں ساری ساری رات فرط مسرت سے جاگتا رہتا تم چار پانچ مہینے بھی میرے پاس آکر رہتے ہو تو کہتے ہو کہ ہم بہت رہے (ابن ج ا ص ۴۱۹)

امام زہری کا شغف:

حضرت امام زہری کا مطالعے کے وقت یہ عالم ہوتا کہ اِدھر اُدھر کتابیں ہوتیں اور ان کے مطالعے میں ایسے مصروف ہوتے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی۔ بی بی کو کب گوارا تھا کہ ان کے سوا کسی اور کی اس قدر گنجائش اس کے شوہر کے دل میں ہوتی۔ ایک روز بگڑ کر کہا وَاللّٰہِ لھٰذہِ الْکُتُبُ اشَدُّ عَلَیَّ مِنْ ثَلٰثَ ضَرَائِر یعنی قسم ہے رب کی یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔ (ابن ج ا ص ۴۵۱)

اہم کتابوں کا بارہا مطالعہ:

امام شافعی کے جلیل القدر شاگرد امام مزنی نے اپنے استاد کی کتاب الرسالہ کا پچاس برس مطالعہ کیا اور وہ خود ناقل ہیں کہ ہر مرتبہ کے مطالعے میں مجھ کو نئے نئے فوائد حاصل ہوتے گئے۔ (ابن ج ۱۱۱ ۳)

ارسطو کی کتاب النفس کا ایک نسخہ کسی کے ہاتھ لگا جس کا حکیم ابونصر فارابی نے سو مرتبہ مطالعہ کیا تھا۔ اور اسپر حکیم موصوف کے ہاتھ کی یہ عبارت تحریر تھی۔ اِنّی قرأت ھٰذا الْکِتَاب مائۃ مرّۃٍ یعنی میں نے اس کتاب کو سو مرتبہ پڑھا ہے۔

(ابن ج ۲ ص ۷۲)

شیخ الرئیس کے مطالعے کی بھی ایک حکایت قریب قریب اس کے ہے جس کو

شیخ نے خود بیان کیا ہے ابن سینا کا بیان ہے کہ ایام طالب علمی میں جب میں نے کتاب مابعد الطبیعہ کا مطالعہ شروع کیا تو مطلقاً وہ میری سمجھ میں نہیں آئی اور نہ اس کے واضع کی کوئی غرض مفہوم ہوئی۔ انتہا یہ ہے کہ چالیس مرتبہ میں نے اسکا مطالعہ کیا۔ عبارت تو برزبان ہوگئی لیکن مدعا نے اپنی جانب سے بالکل مایوس کر دیا۔ اتفاقاً اسی عرصے میں ایک روز عصر کے وقت میں کتاب فروشوں میں جا نکلا وہاں ایک شخص کتاب بیچتا ہوا آیا اور مجھ سے کہا کہ یہ کتاب فن مابعد الطبیعہ میں ہے آپ لے لیجئے۔ چونکہ میں اس فن کو اپنے ذہن میں بے معنی ٹھہرا چکا تھا اس لئے میں نے خریداری سے انکار کر دیا۔ اس نے منت کی اور کہا کہ کتاب سستی ہے صرف تین درہم اس کی قیمت ہے اور اس کا مالک ضرورت مند ہے۔ میں نے اس کے اصرار سے مجبور ہو کر کتاب لے لی۔ خریدنے کے بعد کھول کر جو دیکھا تو ابونصر فارابی کی تصنیف نکلی۔ جس میں مصنف نے اغراض کتاب مابعد الطبیعہ سے بحث کی تھی میں خوش ہو کر مکان پر آیا اور اس کا مطالعہ شروع کیا۔ اصل کتاب چونکہ پہلے سے مجھ کو ازبر تھی اس لئے خرید کتاب کو پڑھتے ہی سب مشکلیں آسان ہوگئیں۔ (عیون ج ۲ ص ۴)

ابوالعباس ثعلب نے بغداد میں اسحٰق موصلی کے کتاب خانے میں ایک ہزار جز فن لغت کے دیکھے جو سب کے سب اسحٰق کی سماع میں آچکے تھے۔ (ابن ج ۱ ص ۶۹)

کتاب کے ادب کا مستقبل پر اثر:

مولانا حماد الدین رومی نے ایک رات طلبہ کے حجروں میں مخفی طور پر گشت کیا ایک طالب علم کو دیکھا کہ تکئے سے لگا ہوا مطالعہ کتاب میں مصروف ہے دوسرے کو

دیکھا کہ دوزانو مستعد بیٹھا ہے کتاب زیر مطالعہ ہے اور موقع موقع سے کچھ لکھتا بھی جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر تجربہ کار استاد نے اول کی نسبت کہا اِنــہ لاَ یبلغ دَرَجَة دوسرے کی نسبت فرمایاسیحصل الفضل وَیکُون له شانٌ فِی العلم آئیندہ زمانے نے ظاہر کردیا کہ یہ پیشین گوئی بالکل سچی تھی۔ (عیون ج ۲ ص ۱۳۳)

زہری، مزنی اور فارابی اب بھی بن سکتے ہیں:

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ امام زہری ہوں امام مزنی، حکیم فارابی ہوں یا شیخ الرئیس کے علمی کمالات، سب کی اصل بنیاد یہی مطالعے کی کثرت تھی کہ ایک ایک کتاب کو سوسو بار پڑھتے تھے۔ اور پچاس پچاس برس دیکھتے اب مطالعہ معدوم لہٰذا علمیت معدوم۔ بیدرد ہیں وہ لوگ جوان بزرگوں کی جاں کاہیوں کونظر انداز کر کے ان کے علمی کمالات کو محض اس زمانے کے آثار کا ثمرہ بتا کر اپنے زعم باطل میں اپنے لئے ایک عذر تراشتے ہیں اگر ابونصر یا شیخ الرئیس کی سی جانفشانی آج کل کے مسلمان کریں تو ضرور ان کے برابر ہوسکتے ہیں علم وحکمت کچھ نبوت نہ تھی جو کسی ذات پر ختم ہوگئی اور ہم پر یہ ایمان لانا واجب ہوگیا کہ فارابی اور شیخ کمالات علمیہ کوختم کر گئے۔

فیض روح القدس ارباز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ میسحا می کرد

اُبوالبرکات طبیب کیسے بنے؟:

آمدم برسر مطلب۔ ابوالبرکات طبیب مشہور ابتدا میں موسوی ملت کے پیرو تھے۔ اس عہد کے استاد طب ابوالحسن کی یہ آن تھی کہ وہ منکرین حضرت مسیحا کوطب نہیں پڑھاتے تھے۔ ابوالبرکات ان سے پڑھنے گئے۔ لیکن ناکام واپس آئے۔ اسی طرف

سے جب مایوس ہوئے تو شوق نے ایک اور راہ بتلائی یعنی انہوں نے دربان کو ملایا اور اس سے درس کے وقت دروازے میں بیٹھے رہنے کی اجازت لے لی۔

نخواہم داد دربان ترا بہر دروں زحمت بسند ست اینکہ گاہے بنیم آں دیوار بیروں را

ایک سال کامل یہ دروازے میں بیٹھ کر استاد کی تعلیم سے فیض یاب ہوتے رہے۔ایک روز کسی مسئلے میں ابوالحسن کے درس میں الجھاؤ پڑ گیا اور کسی طرح وہ گتھی نہ سلجھی۔آخر چھپے رستم ابوالبرکات جسارت کر کے آگے بڑھے اور کہا کہ اجازت ہو تو اس مسئلے میں کچھ میں بھی عرض کروں۔استاد نے اجازت دی تو انہوں نے اس کو جالینوس کے قول سے حل کر دیا اور کہا کہ فلاں روز یہ قول آپ ہی نے بیان فرمایا تھا۔ ابوالحسن نے حیرت سے پوچھا کہ تم نے میرا قول کہاں سنا۔انہوں نے صورت حال گذارش کی۔حکیم موصوف کے دل پر ان کے شوق کا گہرا اثر پڑا۔اور اعتراف کیا کہ ایسے شخص کو علم سے محروم رکھنا حلال نہیں۔چنانچہ اسی روز ابوالبرکات کو شامل درس ہونے کی اجازت ہوگئی۔(عیون ج ا ص ۲۷۹)

خطیب تبریزی کی لغت سیکھنے کیلئے محنت:

خطیب تبریزی شارح حماسہ کے ہاتھ ایک کتاب لغت ابوالمنصور کی تصنیف لگی جو کئی چھوٹی چھوٹی جلدوں میں تھی۔اس کے مطالب حل کرنے کو وہ اپنے شہر کے ایک عالم لغت کے پاس گئے۔عالم موصوف نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ ابوالعلا معری کے پاس چلے جاؤ۔خطیب نے ان اجزا کو ایک تھیلے میں بھر کر پشت پر ڈالا۔ اور پیادہ پا تبریز سے مَعَرّہ (واقع ملک شام قریب حماۃ) کو چل کھڑے ہوئے۔

راستے میں اس کتاب کی جلدیں پسینے سے ایسی نمناک ہوگئی تھیں کہ بغداد میں لوگوں نے ان کو دیکھا۔تو گمان کیا کہ پانی میں بھیگ گئی ہیں۔غرض اسی حال میں خطیب معرّہ پہنچے اور ابوالعلاء کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے مشکلات کو حل کیا۔

(ابن ج ۲ ص ۲۳۳)

رشیدالدین کی ہمہ گیر شخصیت:

علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنے عم مکرم رشید الدین طبیب کی طالب علمی کا حال کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے کہ ہم نے اس کو ماضی کے طرز طالب علمی اور طریقہ کسب علوم ظاہر کرنے کیلئے یہاں نقل کرتے ہیں۔رشید الدین نے اولاً کلام اللہ تمام ضروری مراتب کے لحاظ کے ساتھ حفظ کیا حفظ کلام پاک سے فارغ ہو کر فن حساب کی تحصیل کی۔حساب کے بعد فن طب پڑھنا شروع کیا۔مصر کے رئیس الاطبا ان کے والد کے دوست تھے اس لئے رشید الدین کو انہوں نے خود طب شروع کرائی اور جالینوس کے سولہ رسالے پڑھائے۔جن میں سے چند ابتدائی لفظ بہ لفظ حفظ کئے گئے۔

ان رسالوں کو رئیس الاطبا سے پڑھ کر اور اساتذہ فن سے سبق لینے لگے۔نری کتاب خوانی پر قناعت نہ تھی بلکہ سبق سے فارغ ہو کر بیمارستاں (شفاخانہ) جاتے اور وہاں کے مریضوں کو دیکھ کر معالج اطبا نے جوان کا مرض تشخیص اور علاج تجویز کیا ہوتا اس کو سنتے۔اسی ضمن میں فن کحالی (آنکھ بنانا) اور اس کا عمل نفیس الدین سے (جو بیمارستان میں اس ضیغے کے افسر اعلیٰ تھے) حاصل کیا اور سرجری (جراحی) کی مشق بھی شفاخانہ مذکورہ میں کی۔فن طب کے ان مشاغل کے ساتھ دیگر علوم سے بھی وہ بے خبر

نہ تھے۔ ادب عربی اور فلسفہ عبداللطیف بغدادی سے اور منطق کا ایک سبق علوم حکمیہ کے استاد سدید الدین منطقی سے پڑھتے۔ ابو محمد جعفری سے فن نجوم۔ اور ابن الدیجور سے فن موسیقی حاصل کرتے۔ بیس برس کی عمر میں شام پہنچ کرانہوں نے مطب شروع کیا۔ بااین ہمہ طب رضی الدین سے پڑھتے رہے اور وہاں کے مشہور ادبا سے ادب۔ اتفاقاً ان کے استاد عبداللطیف بغدادی بھی شام پہنچ گئے۔ تو ان سے فلسفے کا مشغلہ پھر جاری کر دیا۔ اس جانفشانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہنوز ان کا سن پچیس برس کا نہ ہوا تھا کہ طب میں ان کو نمود حاصل ہو چلی اور مذکورہ بالا علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ علاوہ ان علوم کے رشید الدین زبان ترکی و فارسی میں بھی ماہر تھے بلکہ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ حکایت بالا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگلے اطبا اس فن شریف کے تمام شعبے حاصل کرتے تھے۔ اور آج کل کے اطبا کی طرح ان کا علاج دوسروں کے بھروسے پر نہیں چلتا تھا۔ (عیون ج ۲ ص ۲۲)

علم کا خزانہ کیسے ہاتھ لگے:

امام طبرانی کی وسعت معلومات دیکھ کر ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کا علمی خزانہ اس قدر مالا مال کیونکر ہوا۔ تو امام ممدوح نے فرمایا کہ جان عزیز تیس برس میری کمر نے بوریے کے سوا اور کسی بستر کا لطف نہیں اٹھایا۔ (تذ ج ۳ ص ۱۸)

امام ادب ثعلب ناقل ہیں کہ پچاس برس سے برابر میں ابراہیم کو اپنی ہر مجلس لغت وادب میں موجود پاتا ہوں۔ (تذ ج ۲ ص ۱۶۲)

امام رازی کو تاسف ہوتا تھا کہ واللّٰہ اِنِّیْ اتاسفُ فِی الفوات عن

اشتغال بالعلم فی وقت الا کل فان الوقت والزمان عزیزٌ.

یعنی خدا کی قسم مجھ کو کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس آتا ہے کیونکہ فرصت وقت بہت عزیز چیز ہے۔

در بزم وصال تو بہنگام تماشا نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد

امام رازی اگر اوقات کو عزیز نہ سمجھتے تو ان پر علوم کے راز کھلتے اور نہ ان کو کوئی امام کہتا۔ (عیون ج ۲ ص ۲۲)

محویت شوق کا یہ لطیفہ بھی قابل سننے کے ہے کہ ادیب مشہور ابو محمد اعرابی اپنے چہرے پر روغن مل کر آفتاب کے سامنے بیٹھا کرتے تھے تا کہ ان کا رنگ بدویوں کی طرح کالا ہو جائے اور اعرابی کا لقب ظاہری اور باطنی دونوں حیثیتوں سے ان پر صادق ہو چنانچہ میدان طلب میں انکو یہ سرخروئی حاصل ہوئی کہ ان کو اسود کا خطاب مل گیا اور آج تک اسی لقب سے وہ تاریخ میں مشہور ہیں فدائیان شوق کا یہ بھی رنگ ہے (نزہۃ ص ۴۳۷)

مولانا خسرو سلطان محمد خاں فاتح قسطنطنیہ کے وقت میں نہایت باوقار تھے اور عہد قضاء پر ممتاز۔ اگر چہ بہت سے خدام ان کی خدمت میں تھے تاہم مطالعے کے کمرے میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے اور خود چراغ روشن کرتے اور آتش خانے میں آگ سلگاتے۔ (شق ج ۱ ص ۱۲۶)

اولاد نہ ہونے کا خیال نہیں آتا:

اسحٰق بن سلیمان طبیب سو برس کے ہو کر فوت ہوئے ان کی کوئی اولاد نہ تھی

اور بہ مدۃ العمر انہوں نے شادی کی۔ آخر عمر میں ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کے دل میں اولاد کی تمنا ہے۔ تو اس دانا حکیم نے جواب دیا کہ اپنی کتاب حمیات کے ہوتے ہوئے اولاد نہ ہونے کا کبھی خیال بھی مجھ کو نہیں آتا۔ (عیون ج ۲ ص ۳۷)

میں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا:

حضرت یحیی ناقل موطا مدینہ منورہ میں ایک روز امام مالک صاحب کے درس میں حاضر تھے کہ غوغا اٹھا کہ ہاتھی آیا۔ عرب میں ہاتھی عجوبہ چیز ہے۔ اس آواز کو سنتے ہی سارے طلبہ درس چھوڑ کر بھاگ اٹھے مگر یحیٰی اسی طرح اطمینان سے بیٹھے رہے امام مالک صاحبؒ نے فرمایا کہ یحیٰی! تمہارے ملک اندلس میں ہاتھی نہیں ہوتا تم بھی جا کر دیکھ آؤ۔ ان کے دل میں اور ہی خیال بس رہا تھا۔ جواب دیا کہ حضرت! اندلس سے میں آپ کو دیکھنے اور علم سیکھنے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے کے واسطے بے خان و ماں نہیں ہوا ؎

بہ بست دیدہ مجنون زخویش بیگانہ چہ آشنا نگہے بود چشم لیلےٰ را

ابن بشار نے باندی واپس کردی:

ابو بکر بن بشار ادب کے مشہور امام بغداد میں شاہزادوں کے اتالیق تھے۔ ایک روز قصر خلافت کو جاتے ہوئے نخاس سے گذرے۔ وہاں ان دنوں ایک جاریہ آئی ہوئی تھی جس کے حسن اور سلیقے کا سارے بغداد میں شہرہ تھا۔ ابن بشار اس کو دیکھ کر مفتون ہو گئے۔ جب دار الخلافہ میں پہنچے تو خلیفہ نے پوچھا کہ آج دیر میں کیوں آئے۔ انہوں نے جاریہ کا ماجرا عرض کیا۔ یہ سن کر خلیفہ نے در پردہ خدام کو حکم دیا کہ وہ

جاریہ خرید کر ابن بشار کے مکان پر ان کے پہنچنے سے پہلے پہنچادی جائے جب علامہ ممدوح مکان کو واپس آئے تو جاریہ کو بیٹھا پایا۔ دریافت کیا تو حال معلوم ہوا اس کو تو انہوں نے بالا خانے پر بھیجد یا اور خود وہیں بیٹھ کر ایک علمی مسئلے پر (جس کی تحقیقات میں وہ ان روزوں مصروف تھے) غور کرنے لگے طبیعت تو اور ہی طرف لگ رہی تھی۔ غور کرنے میں الجھنے لگے۔ قلب کا یہ رنگ دیکھ کر ابن بشار نے خادم کو آواز دی اور کہا کہ اس شہر آفتاب کو لے جا کر نخاس میں واپس کر آؤ۔ میرے نزدیک اتنی اس کی قدر نہیں ہے کہ میرے دل کو علم سے پھیر لے چنانچہ خادم گیا اور جاریہ کو واپس کر آیا۔ (نزہتہ ص ۳۳۶)

حفظ واستحضار علمی

یہ ایک مشہور مقولہ ہے کہ علم سینہ بہ از علم سفینہ۔ ہمارے اگلے علماء کا ایک دورہ تھا جب کتاب کا وجود بھی مسلمانوں میں نہ تھا۔ جو کچھ استادوں سے پڑھتے اور سیکھتے اس کو صفحہ حافظہ پر ثبت کرنا پڑتا۔ یہاں تک کہ کاغذ وقلم کی مدد کو وہ عار سمجھتے تھے۔ چنانچہ بعض علمائے سلف فخریہ یہ بیان کرتے کہ ہم نے کبھی سپیدی پر سیاہی کے دھبے نہیں ڈالے۔ گویا ان کے دماغ کتاب خانے تھے جن میں علمی مسائل خوبی اور خوش اسلوبی سے چُنے ہوئے تھے۔ اسی قوت حافظہ کی وجہ سے اس زمانے میں تعلیم کا طریقہ املا کے طرز پر تھا۔ حق یہ ہے کہ جیسے اساتذہ فن اس روشِ تعلیم نے پیدا کئے وہ کتاب خوانی کے طریقے سے پیدا نہ ہوسکے۔ جتنے فن آج اسلام میں مدون ہیں ان کے روساء وکملاء اس عصر میں ملیں گے جب طریقہ املا رائج تھا۔ متاخرین کے پاس سرمایہ

فخر حاشیہ وشرح نویسی ہے۔ برخلاف متقدمین کے کہ وہ مجتہدانہ قوت پر ناز کرتے تھے ۔ان بزرگوں کے حفظ اور استحضار علمی کے واقعات دیکھ کر یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ کیسی محنتیں وہ علوم کی تحصیل میں برداشت کرتے ہوں گے۔ان حکایتوں کی نسبت اپنی حالت پر قیاس کر کے بدگمانی کی نظر ڈالنا آئینِ حق سے بعید ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان کے تمام قوی مشق اور کثرت کار سے ترقی کرتے ہیں اور ترقی کی کوئی حد معین نہیں آیندہ دوران بیان میں آپ کو ایسی حکایتیں ملیں گی جن کو معتبر مؤرخین نے چشم دیدہ لکھا ہے یا دوسری عینی شہادت کو نقل کیا ہے بعض اپنے حالات خود ائمہ ثقات نے نقل کیے ہیں۔ان حالتوں میں میری رائے ناقص میں کسی شک وشبہ کی گنجائش بہت کم رہتی ہے۔رفتہ رفتہ کتابیں تصنیف ہوئیں۔ان پر اعتماد بڑھا اور قوت حافظہ بیکاری کی وجہ سے مضمحل ہوتی گئی۔ جو علم متقدمین کے دماغوں میں تھا وہ متأخرین کے کتاب خانوں میں آ کر ٹھہرا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگلوں کے حالات پچھلوں کے قیاس سے بھی باہر معلوم ہونے لگے۔

متقدمین کے قوت علمیہ کے اسباب:

غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ متقدمین کی قوت علمیہ کو ان تین ذرائع سے بہت مدد ملتی تھی۔ اولاً حفظ۔ ثانیاً کتابوں کا اپنے ہاتھ سے لکھنا۔ ثالثاً کثرت مطالعہ۔متاخرین سے رفتہ رفتہ یہ سب سلب ہوگئے۔حفظ کو کتابوں کی تصنیف نے باطل کر دیا اور تحریر کتابوں کی کثرت سے فضول ہوگئی۔اور اس زمانے میں جبکہ مطبع کتابوں کے وجود سے دنیا کو مالا مال کر رہا ہے کتابوں کا نقل کرنا تضییع اوقات سے

زائد نہیں خیال کیا جا سکتا۔ ایک مطالعہ باقی تھا اس کو ہمارے زمانے میں اس طرز تحشیہ نے بالکل غارت کر دیا جواب بدقسمتی سے رائج ہو گیا ہے ضمائر کے مرجع، اشاروں کے مشار الیہ ہندسوں کی مدد سے ظاہر کئے جاتے ہیں قریباً ہر ہر لفظ پر حاشیہ بلکہ حواشی نقل کئے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ ان کتابوں کو خرید کر نہ مطالعہ کی محنت شاقہ اٹھاتے ہیں نہ اساتذہ کی تقریروں کو پورے طور سے قابو میں کرتے ہیں۔ اسی اعتماد نے کہ ہماری کتاب میں سب کچھ لکھا ہے جب ضرورت ہوگی دیکھ لیں گے دماغی قوت کا بالکل ستیاناس کر دیا۔

شروحات اور حواشی کی غارت گری:

مجھ سے اس عہد کے ایک مشہور فاضل نے اپنی طالب علمی کا قصہ بیان کیا کہ میر زاہد رسالہ پڑھنے کے وقت ہمارا عالم تھا کہ جو جو رموز اور نکات استاد کی زبان سے نکلتے ہماری یہ کوشش ہوتی کہ ہمارے دماغوں میں نقش ہو جائیں کیونکہ اگر استاد کی زبان سے نکل کر ہمارے دماغوں میں نہ ٹھہرتے تو پھر کہاں ملتے۔ غرض پڑھتے وقت ہم استاد کے بیانوں کو پوری توجہ سے سن کر خیال میں رکھتے درس سے فارغ ہو کر اس کا خلاصہ لکھتے اور لکھے ہوئے کو یاد رکھتے انہیں دنوں میں لکھنو یا کان پور سے رسالہ مذکور محشی ہو کر نکلا اور نکلتے ہی مدارس میں پھیلا۔ اسی رسالے کے خریدتے ہی طلبہ کی ہمت میں قصور آ گیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ جو استاد کی زبان پر ہے وہ ہمارے پاس موجود ہے پر جانفشانی بیکار ہے۔ افسوس ہے کہ کتابوں میں سب کچھ تھا مگر ان کے دماغوں میں کچھ بھی نہ آیا۔ جو کتابیں اگلے اساتذہ کو دیکھنے کو نہ ملتی تھیں آج وہ دوکانوں میں

بھری پڑی ہیں۔لیکن علم کا قحط ہے۔اب تمہید برطرف اصل مدعا سنیے۔

امام ترمذی کا قوت حافظہ:

امام ابوعیسٰی ترمذی مصنف جامع ترمذی (جو صحاح ستہ میں شامل ہے) فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دو جز ایک شیخ کے روایت کردہ احادیث کے لکھے تھے حسن اتفاق سے اسی عرصے میں خود وہ شیخ مجھ کو مل گئے۔میں نے ان سے احادیث مذکورہ کی اجازت طلب کی اور انہوں نے میری استدعا قبول فرمائی اور ان احادیث کو سنانا شروع کر دیا درخواست کرتے وقت مجھ کو خیال تھا کہ مذکورہ بالا دونوں جز میرے پاس ہیں۔اب جو دیکھتا ہوں تو بجائے انکے دو سادے جز میں نے غلطی سے اپنے پاس رکھ لئے تھے۔مجھ سے سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ وہی سادے جز ہاتھ میں لے کر شیخ کی حدیثیں سننے لگا۔سوءِ اتفاق سے شیخ کی نظر ان اوراق پر پڑ گئی اور انہوں نے بگڑ کر کہا کہ تم کو مجھ سے شرم نہیں آتی۔میں نے اصلی ماجرا بیان کیا اور کہا کہ جو حدیث آپ سناتے ہیں وہ مجھ کو یاد ہو جاتی ہے۔شیخ کو میرے قول کا اعتبار نہ آیا اور فرمایا سناؤ۔میں نے سب سنی ہوئی حدیثیں لفظ بہ لفظ سنا دیں۔ان کا شبہ اب بھی نہ گیا اور کہا کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ حدیثیں میرے سنانے سے پہلے تم حفظ کر چکے ہو۔میں نے گزارش کی کہ آپ اور نئی حدیثیں بطور امتحان روایت فرمایئے چنانچہ چالیس حدیثیں انہوں نے نئی سنائیں ان کو بھی میں نے فوراً دہرا دیا اور ایک بھی غلطی نہیں کی۔

واقعہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت مشق ان کے حافظے کی قوت کو کیسا بڑھا دیتی تھی کہ غور سے سننا اور حفظ ہو جانا یہ دونوں عمل ان کے واسطے ایک ہو گئے تھے۔

قرطمہ کا حافظہ:

داؤد ابن سمعہ نے ایک بار کہا کہ لوگ حفظ کے بارے میں ابو حاتم رازی اور ابو زرعہ کو نظیر دیا کرتے ہیں میں نے واللہ قرطمہ سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا ایک دفعہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اپنی کتابوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کتابوں میں سے جس کو چاہو اٹھالو میں حفظ سنا دونگا۔ امتحانا میں نے ایک کتاب اٹھا کر کہا کتاب الاشربہ۔ میں نے اتنی تحریک کی تھی کہ ان کی قوت حافظہ کا چشمہ رواں ہو گیا اور ساری کتاب سنا ڈالی۔ (تذ ج ۲ ص ۳۰۹)

ادیب ابو عمرو زاہد کے بارے میں بدگمانی کیسے ختم ہوئی:

خطیب بغدادی اپنی تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں کہ ادیب مشہور ابو عمرو زاہد، قاضی محمد کے صاحبزادے کو ادب کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک روز انہوں نے اپنے شاگرد کو لغت کے تیس مسئلے اور ان کے آخر میں دو شعر لکھوائے۔ اتفاقاً اسی دن عہد مذکور کے تین استاد کامل ابن درید۔ ابن انباری اور ابو بکر۔ قاضی ممدوح سے ملنے آئے (کثرت بیان کی وجہ سے بعض لوگ ابو عمرو کی نسبت یہ بدگمانی کرنے لگے تھے کہ وہ بہت سی باتیں طبعزاد بھی کہہ دیتے ہیں لہٰذا) قاضی صاحب نے وہ مسائل علمائے موصوف کی خدمت میں پیش کئے اور ان کی تنقیح چاہی۔

ایک علامہ وقت کے مسائل پر رائے زنی کرنا پوری ذمہ داری کا کام تھا۔ ابن انباری اور ابو بکر تو اپنے مشاغل کا عذر کر کے خاموش ہو رہے۔ ابن درید نے بے ساختہ کہا کہ ان مسائل کی لغت میں کوئی اصل نہیں۔ سب ابو عمرو کے گڑھے ہوئے ہیں ابو عمرو کو یہ

خبر پہنچی تو قاضی صاحب سے کہلا بھیجا کہ اپنے کتاب خانے میں سے فلاں فلاں شعرائے عرب کے دیوان نکلوا دیجئے۔ چنانچہ وہ سب دیوان نکالے گئے۔ ابوعمرو نے ایک ایک مسئلہ لے کر ان کے شواہد ان دیوانوں سے نکال نکال کر قاضی صاحب کو دکھلانے شروع کیئے اور اسطرح تیسوں ۳۰ مسئلے اہل زبان کے کلام سے ثابت کر دیئے۔ وہ شعر جو اخیر میں لکھوا دیئے تھے ان کی نسبت کہا کہ میرے استاد ثعلب نے فلاں روز آپ کے سامنے پڑھے تھے اور آپ نے فلاں کتاب کی پشت پر لکھ لیئے ہیں۔ جب وہ کتاب بھی دیکھی گئی تو فی الواقع وہ شعر اس پر ثبت تھے۔ ابن درید نے اس حال کو سن کر پھر کبھی کوئی لفظ ابوعمرو کی نسبت زبان سے نہیں نکالا۔

(تذج ۳ص ۹۱)

فعلی کے وزن پر صرف دو اسم جمع:

متنبّی شاعر مشہور سے ابوعلی فارسی امام نحو نے ایک بار پوچھا کہ فعلی کے وزن پر عربی زبان میں کتنے اسم جمع آئے ہیں۔ متنبّی نے بے تامل کہا حجلیٰ۔ اور ظربیٰ۔ ابو علی نے تین شب متواتر لغت کی کتابیں چھانیں۔ مگر تیسرا اسم جمع انکو اس وزن کا نہ ملا۔

(ابن ج ا ص ۳۶)

امام اصمعی کا غضب کا حافظہ:

جب حسن ابن سہل وزیر خلیفہ مامون الرشید عراق میں آیا تو اس نے علمائے ادب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ حسب ایما۔ اصمعی۔ ابوعبید۔ اور ابوبکر نحوی۔ بارگاہ وزارت میں حاضر ہوئے۔ ان سے مخاطب ہونے سے پیشتر وزیر نے ان عرائض پر

دستخط کئے جو اہل حاجت نے پیش کی تھیں۔ جب ان عرضیوں پر جو شمار میں پچاس تھیں دستخط کر چکا تو ان ادبا کی طرف متوجہ ہو کر معذرت کی اور سلسلہ کلام شروع کیا اثنائے کلام میں ان علمائے گذشتہ کا ذکر ہوا جن کی قوت حافظہ مشہور تھی۔ اور امام زہری اور قتادہ کا ذکر ہونے لگا۔ ابو عبیدہ نے کہا حدیث زندہ گویم مردہ در گور۔ اس وقت یہاں ایسا شخص موجود ہے کہ کبھی کتاب کو ایک بار پڑھ کر دوبارہ دیکھنے کی اس کو حاجت نہیں ہوئی۔ اور جو بات ایک دفعہ اس کے خزانہ حافظہ میں پہنچ گئی پھر نہیں نکلی یہ سن کر اصمعی نے جسارت کر کے کہا کہ یہ میری طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان کے دعوے کو میں اس طرح ثابت کر سکتا ہوں کہ وزارت مآب نے جس قدر عرائض پر اس وقت دستخط فرمائے ہیں ان سب کا خلاصہ مضمون اور دستخطوں کی اصل عبارت سنادوں۔ وزیر کے حکم سے کل عرضیاں واپس آ کر پیش ہوئیں۔ اصمعی نے بیان کرنا شروع کیا کہ فلاں عرضی کے پیش کنندہ کا یہ نام ہے اور یہ کام اور یہ دستخط اس پر ہوئے اسی طرح وہ نادرہ روزگار بیان کرتا گیا جب کچھ اوپر چالیس عرضیوں کی نوبت پہنچی تو حاضرین میں سے ابونصر نے کہا کہ اصمعی خدا کے لئے اپنی جان پر رحم کر کہیں نظر نہ لگ جائے۔ یہ سن کر وہ چہکتا ہوا بلبل خاموش ہو گیا۔ (ابن۔ ج ا ص ۲۸۶)

امام ابو سعد کو ساری صحیح مسلم۔ حافظ ابو الحسین اصفہانی کی صحیح بخاری و صحیح مسلم اور امام تقی الدین بعلبکی کی والجمع بین الصحیح مسلم اور اکثر مسند امام احمد برزبان تھی امام آخر الذکر ایک جلسے میں ستر ۷۰ حدیثیں حفظ کر لیتے تھے۔ ایک بار ایک دن سے کم میں انہوں نے مقامات حریری کے تین مقالے ازبر کر لئے۔

(تذ ج ۴ ص ۸۰۔۱۱۶ ۲۳۱)

ابن بیطار کا انداز تدریس:

علامہ ابن ابی اصیبعہ مؤلف طبقات الاطبا نے ادویہ مفردہ کے متعلق کچھ کتابیں مصنفہ ابن بیطار خود مصنف سے پڑھی تھیں۔ اپنے استاد کی تعلیم کا جو اسلوب انہول نے طبقات میں لکھا ہے اس سے علاوہ استحضار علمی کے یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ اساتذہ سلف کس طرح اپنے تلامذہ کو کامل بناتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے استاد کے درس کے وقت بہت سی کتابیں مفرد دواؤں کے متعلق مثل کتاب حکیم دیسقوریدس۔ کتاب جالینوس کتاب غافقی موجود رہتیں۔ ان کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ اول ایک مفرد دوا کا یونانی نام (جو دیسقوریدس نے لکھا ہے) لیتے اس کے بعد اس کے معنی (جو انہوں نے روم میں رہ کر تحقیق کیے تھے) بیان کرتے۔ پھر جو کچھ طبیب مذکورہ نے اس دوا کے افعال وخواص لکھے ہیں سناتے۔ اسی طرح جالینوس اور متاخرین کے اقوال و مذاہب کے بہ ترتیب ذکر کرتے۔ پھر اطبا کے باہمی اختلاف کی (دوائے مذکور کی نسبت) تشریح کرتے۔ آخر میں وہ غلطیاں ظاہر کرتے جو اطبائے مذکور سے اس دوا کے متعلق سرزد ہوئی تھیں۔ استاد جب ان مدارج کو طے کر چکتے تو ہم محولہ کتابوں کو کھول کر دیکھتے۔ انکے زبانی بیان اور کتابوں کے مضمون میں سر مو فرق نہ نکلتا۔ جب ہم کتاب دیکھتے تو ابن بیطار یہ بتاتے جاتے کہ دیسقوریدس نے فلاں مقالے میں اس دوا کا ذکر کیا اور مذکور میں اس کا یہ نمبر ہے۔ اس قدر بیان پر علامہ استاد کو تسلی نہ ہوتی بلکہ جن نباتات کا ذکر درس میں ہوتا وقتاً فوقتاً جنگل میں لے جا کر ان کا مشاہدہ بھی طلبہ کو کرا دیتے۔ جو استاد اپنے طلبہ کے سامنے بقراط اور جالینوس کی

غلطیاں نکال کر رکھ دے ان کو کتاب کا کیڑا نہ بنائے بلکہ حقائق کے مشاہدے کا خوگر کرے اس کے شاگرد بے شک کامل اور محقق ہوں گے۔ جو لوگ جالینوس اور ارسطو کی عقل کو معصوم مان چکے انہوں نے تو گویا اپنی عقلوں کو یونانیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ پھر کمال کیسا اور تحقیقات کجا۔ (عیون۔ ج ۲ ص ۱۲۳)

آپ کے بعد کسی کو حقیر نہیں جانوں گا:

امام داود ظاہری ناقل ہیں کہ میری محفل میں ایک روز ایک شخص ابو یعقوب بصری نامی شکستہ حال وارد ہوئے اور بدوں کسی اشارے کے خود بخود صدر میں آ بیٹھے اور فخریہ لہجے میں مجھ سے کہا کہ سَلْ یَا فَتٰے عَمَّا بَدَالَکَ (اے جوان تیرے دل میں جو آئے مجھ سے پوچھ لے) مجھ کو ان کی اس مشیخت پر سخت غصہ سا آیا اور استہزاءً میں نے کہا کہ حجامت کی نسبت کچھ فرمایئے۔ ابو یعقوب نے بارک اللہ کہا اور سب سے اول محدثانہ اور فقیہانہ گفتگو شروع کی۔ حدیث اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ کو روایت کر کے بیان کیا کہ کس راوی نے اس کو مسند اور کس نے موقوف اور کس نے مرسل روایت کیا ہے۔ اور فقہا میں سے کس کس کا عمل اس پر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پچھنے لگوانے کے مختلف طریقے بیان کئے اور اس اجرت کا ذکر کیا جو آپ نے حجام کو مرحمت فرمائی تھی اور یہ ثابت کیا کہ اگر اجرت حجامت حرام ہوتی تو آپ مرحمت نہ فرماتے۔ پھر ایک اور حدیث کے طرق روایت سنائے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھری شاخیں کھچوائی تھیں۔ پھر اس باب کی تمام احادیث صحیح۔ متوسط اور ضعیفہ کو علی الترتیب بیان کیا۔ اصول

حدیث وفقہ کے مطابق اس قدر بحث کے بعد وہ طب کی طرف جھکے اور اطباء کی جو رائے حجامت کی نسبت مختلف زمانوں میں رہی ہے اس کو مشرح کہہ سنایا۔ طب کے بعد تاریخ کا نمبر تھا آخر کلام میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ سب سے اول یہ عمل اصفہان میں ایجاد ہوا تھا امام ظاہری فرماتے ہیں کہ میں یہ وسعت تقریر دیکھ کر متحیر رہ گیا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا واللّٰہِ مَا حَقَرْتُ بَعْدَکَ احدً ابدًا (یعنی میں تمہارے بعد کسی کو بہ نظر حقارت نہیں دیکھوں۔ (ابن۔ج ا ص ۱۷۶)

مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے ایک زمانے میں بیان کیا تھا کہ میں جب تک دو سو سطریں حفظ نہیں کر لیتا سوتا نہیں۔

قرامان واقع ملک روم میں جو مدرسہ بنام مدرسہ سلسلہ جاری تھا اس کے بانی کی جانب سے یہ شرط تھی کہ اسکا مدرس وہ عالم مقرر کیا جائے جس کو صحاح جوہری ازبر ہو چنانچہ مولانا جمال الدین اپنے عہد میں مدرسہ مذکور کے مدرس تھے۔

(شق ج ا ص ۲۔۳۳)

﴿ علم سے سیر نہ ہونا ﴾

علامہ ابن العلا سے ایک بار کسی نے پوچھا کہ آدمی کو علم کب تک حاصل کرنا چاہئے۔ اس عالی دماغ نے جواب دیا کہ مَادَامَتِ الْحَیٰوۃُ تَحْسنُ بِہٖ یعنی جب تک حیات مہربان رہے۔ دریائے علم ناپید کنار ہے اور انسانی زندگی محدود بایں ہمہ اگر آدمی ایک حد پر پہنچ کر علم سے سیر ہو جائے تو یہ اس کی حرماں نصیبی ہے۔ شوق کا تقاضا یہ ہے کہ۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید تا تن رسد بہ جاناں یا جاں زتن برآید

اور یہ محض ایک دل خوش کن خیال نہیں ہے۔ آپ میدان علم میں ایسے جواں مرد پائیں گے جنہوں نے اس قول کو دم واپسیں تک عزیز رکھا اور دکھلا دیا کہ جب اجل کا فرشتہ ان کی جان شیریں تن سے جدا کر رہا تھا وہ علم کی خدمت میں مشغول تھے اور سچ یہ ہے کہ جب علم محدود نہیں تو طلب کی بھی کوئی حد نہ ہونا چاہئے کسی کمال کے طالب کا یہ خیال کر لینا کہ میں حد طلب کو پہنچ چکا اس کے حق میں سم قاتل ہے۔ یہ مسئلہ پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ عالم میں کسی حالت کو وقوف نہیں ہے یا ترقی ہے یا تنزل۔ پس علمی عروج میں بھی جس زینے پر طالب کا قدم رکا وہیں سے اسکا تنزل شروع ہو جائے گا اور جب تک اس کے ذہن میں اپنی نادانی کا خیال راسخ اور اسکی ہمت کا مقولہ ''پیش'' رہے گا اس کو میدان طلب میں فتح و فیروزی نصیب ہوتی جائیگی۔

مجھے کچھ نہیں آتا:

سقراط کا مقولہ ہے کہ میرے علم کی معراج یہ کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے مجھ کو کچھ نہیں آتا۔ دیار مغرب کا ایک حکیم دانا جب بستر نزع پر دم توڑ رہا تھا تو اسنے کہا کہ دنیا میرے علم کی نسبت معلوم نہیں کیا کیا گمان کر رہی ہے۔ مگر میں اپنے آپ کو یہ سمجھتا ہوں کہ ایک نافہم بچہ سمندر کے کنارے پر چند خزف پاروں سے کھیل رہا ہے اور علم کا ناپیدا کنار سمندر اسکے سامنے موج زن ہے۔ بیشک اگر ان حکماء کا یہ دلی عقیدہ نہ ہوتا تو ہرگز وہ علمی مراتب پر سرفراز نہ ہوتے۔

اے برادر بے نہایت در گہے ست ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

حالت نزع تک طلب علم:

امام ابن السنی کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد نے ایک روز لکھتے لکھتے قلم دوات کے منہ میں رکھا اور دعا کو ہاتھ اٹھائے جو ہاتھ دعا کے واسطے اٹھے تھے پھر وہ قلم نہ اٹھا سکے اور عین حالت دعا میں روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ ابن السنی کا سن اس وقت اسی ۸۰ برس سے متجاوز ہو چکا تھا۔ (تذج ۳ ص ۱۵۱)

حافظ ابن مندہ کا بیان ہے کہ ان کے والد جب دنیا سے رحلت کر رہے تھے تو اس وقت بھی حافظ ساجی ان کے سامنے غرائب شعبہ کی قرأت میں مصروف تھے۔ (تذج ۴ ص ۴۴)

امام ادب ابوالعباس ثعلب کی وفات کے واقعے سے زیادہ موثر مثال اس مبحث میں مشکل سے ملے گی۔ ثعلب کی عمر اکانوے برس کی ہو چکی تھی کہ ایک دن جمعے کے بعد مسجد سے مکان کو جانے لگے راستے میں کتاب دیکھتے جاتے تھے۔ کتاب میں محویت اور اس پر ثقل سماعت پھر وہ آواز کیا سنتے۔ ایک گھوڑے کا دھکا لگا اور اس کے صدمے سے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ لوگ غشی کی حالت میں اٹھا کر مکان لائے ضعف پیری اتنے بڑے صدمے کو کب برداشت کر سکتا تھا اسی حالت میں رحلت کی۔ انتہائے پیری میں بھی انکا شوق طلب اتنا قوی تھا کہ رہ نوردی میں جو وقت گذرتا اس کا جاتا رہنا بھی گوارا نہ ہو۔

چہ حالت ست ندانم جمال سلمارا کہ پیش دیدنش افزوں کند تمنارا

اور سچ یہ ہے کہ اگر یہ علمی تشنگی نہ ہوتی تو ابوالعباس ادب میں امامت کے درجے کو نہ پہنچتے۔ (ابن ج ۱ ص ۳۰)

ایام مصیبت میں علمی کارنامے:

انسان جب کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو اس سے معمولی کام بھی نہیں ہوسکتے لیکن طلب صادق میں یہ کرامات ہے کہ وہ پریشانی کو بھی جمعیت کے قالب میں لے آتی ہے۔علمائے سلف نے پریشان خاطری کی حالت میں وہ کام کئے ہیں کہ زمانہ آج تک ان پر آفریں کررہا ہے۔ابوتمام طائی شاعر مشہور ایک مرتبہ خراسان کے دربار کو جارہا تھا۔ہمدان پہنچ کر موسم سرد مہری سے پیش آیا اور برف اس کثرت سے پڑی کہ راستے بند ہوگئے اور ابوتمام کو چندے وہیں قیام کرنا پڑا۔حالت سفر میں ایسا حرج واقع ہونے سے جو پریشانی طبیعت کو ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔مگر ہمارے زندہ دل شاعر کو خاطر جمع تھی۔جس رئیس کا وہ مہمان تھا اس کے کتاب خانے میں دواوین عرب بکثرت تھے ابوتمام نے موقع کو غنیمت سمجھ کر تمام دیوان پڑھے اوران میں سے اشعار انتخاب کر کے نظم عربی کا ایک بے بہا مجموعہ تیار کرلیا جو آج تک حماسہ کے نام سے سارے عالم میں مشہور ہے۔(ابن ج ا ص ۲۶۱)

شیخ الرئیس سے ایک زمانے میں حکام وقت برہم تھے اور جان کے خوف نے اس کو روپوش کررکھا تھا اسی تباہ حالی میں کچھ دن کیلئے اسے ایک عطار کے گھر میں پناہ مل گئی اتنا سا اطمینان پاکر شیخ کو اپنے علمی مشاغل یاد آئے اور عطار سے سامان تحریر منگوا کر تصنیف شروع کردی یہ کوئی معمولی تصنیف نہ تھی بلکہ شیخ اپنی کتاب شفا کو تمام کر رہا تھا۔طرز تصنیف یہ تھا کہ اول روس مسائل اپنی یاد سے ایک جز پر لکھے اس کے بعد ان مسائل کی تشریح کی۔اس طرح فن طبعیات والٰہیات ختم کردیے فنون حکمیہ میں کتاب حیوان و کتاب نبات اگرچہ باقی تھی لیکن شیخ ان کو چھوڑ کر فن منطق لکھنے لگا۔

ہنوز منطق تحریر ہو رہی تھی کہ قضیہ دگر گوں ہو گیا۔ کسی مخبر نے حاکم کو خبر کر دی اور اس نے شیخ کو گرفتار کر کے قلعہ فروخان میں بھیج دیا۔ اس بلند و استوار حصار میں شیخ کا جسم بے شک مقید تھا لیکن اس کے علمی شوق کو کوئی دنیاوی طاقت مقید نہیں کر سکتی تھی ۔ اس زندان میں کتاب الہدایات رسالہ حی ابن یقظان اور کتاب القولنج شیخ نے تصنیف کر ڈالیں۔ اس زمانے کے لوگ اگلے زمانے کو ایک بہشتی زمانہ تصور کر رہے ہیں جس میں علماء کے واسطے در و دیوار اور زمین و آسمان سے اطمینان و فارغ البالی برستی تھی اور ان کا یہ گمان بلکہ بدگمانی ہے کہ جو نمایاں کام پچھلوں نے کیے وہ اسی فراغ خاطر کی بدولت تھے۔ حال آنکہ واقعات اس کی تردید کر رہے ہیں۔ کیا حکایت بالا کو پڑھ کر کسی دل میں یہ تمنا پیدا ہو گی کہ کاش اس کو شیخ الرئیس کا سا اطمینان نصیب ہوتا۔ اگر شیخ نجات و فراغ خاطر کا منتظر رہتا تو دنیا کو شفا وغیرہ بیش بہا تصانیف کب میسر آتیں۔

(عیون ج ۲ ص ۶)

نظر بندی کے ایام میں طلب علم:

شیخ ابن جوزی ایک زمانے میں واسط میں نظر بند تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ چار دانگ عالم کو ان کی امامت و جلالت مسخر کر چکی تھی۔ حسن اتفاق سے ابن باقلانی بھی ان روزوں واسط میں تھے۔ امام ابن جوزی نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور ابن باقلانی سے پڑھنا شروع کر دیا۔ ان کے صاحبزادے یوسف باپ کے ہم سبق تھے۔ اس واقعے کی جان یہ ہے کہ سبق خوانی کے وقت امام ابن جوزی کی عمر اسی ۸۰ برس کی تھی

(تذ ج ۴ ص ۱۴۰)

جلالت شان کے باجود طالب علمی:

علامہ اثیر الدین ابہری کی نسبت بیان ہے کہ اگر چہ علم وفضل میں اس پایے کو پہنچ گئے تھے کہ خود ان کی تصانیف ملک میں مقبولیت حاصل کر چکی تھیں تاہم اساتذہ کے سامنے کتاب لے کر بیٹھنے میں ان کو عار نہ تھی۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ خود میں نے ان کو ان حالت کمال میں کمال الدین شافعی سے مجسطی پڑھتے دیکھا تھا۔

(ابن ج ۲ ص ۱۳۳)

امام داؤد ظاہری کی مجلس میں چار سو عالم صاحب طیلسان حاضر ہوتے تھے اور شیخ ابو حامد اسفرائنی کے درس میں تین سو تک فقہا شمار کئے گئے۔

(ابن ج ۲ ص ۱۹، ۱۷۶)

امام نحو یونس نے اٹھاسی ۸۸ برس کی عمر پائی۔ ابن خلکان ان کی نسبت لکھتے ہیں کہ ساری عمر انہوں نے شادی نہیں کی اور مرتے دم تک ان کے پیش نظر سوائے طلب علم اور مذاکرہ علمیہ کے کچھ نہیں رہا۔ (ابن ج ۲ ص ۴۱۶)

﴿ بذل اموال ﴾

افلاس کی حالت میں علمائے کرام کی ہمت کا جو عالم رہا اس کو ہم مفصل گذارش کر چکے ہیں ایک دوسرا پہلو دیکھنا ابھی باقی ہے۔ یعنی دولت وتمول کا (جس کی نسبت مشہور ہے۔

باد ہا خوردن دہشیار نشستن سہل ست چوں بدولت برسی مست نگردی مردی

اثر ان کے علمی شوق پر کیا پڑا۔ افلاس انسان کے حوصلے کو پست کرتا ہے اور دولتمندی

قوائے دماغی کو کند اور سست کرنے والی ہے۔ جس طرح افلاس میں مستقل مزاج رہنا دشوار ہے اسی طرح نشہ دولت میں اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا مشکل ہے اگر واقعات یہ ثابت کریں کہ علمائے سلف ثروت میں بھی ویسے ہی طالب علم تھے جیسے افلاس میں تو یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے علم کے دوز بردست دشمنوں کو اپنی مردانہ ہمت سے زیر کرلیا تھا۔ علی ابن عاصم بیان کرتے ہیں کہ ابتدائے طالب علمی میں میرے والد نے ایک لاکھ درہم مجھ کو دیے اور کہا کہ بیٹا یہ لاکھ درہم لو اور علم کی تحصیل میں صرف کرو۔ مگر یاد رہے کہ ان لاکھ درہموں کا معاوضہ ایک لاکھ حدیثوں سے ہوگا۔

مالداری میں طلب علم:

علی ابن عاصم نے باپ کی توقع کو ضائع نہیں کیا۔ ان کے محدثانہ کمال کا یہ شاہد عدل ہے کہ ان کو دربار علم سے مسند عراق کا خطاب عطا کیا گیا۔

(تذج اص ۲۸۹)

ہشام ابن عبید اللہ نے (جو شوق طلب میں سترہ ۱۷ سو شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے) سات لاکھ درہم راہ طلب میں صرف کئے۔ اسی طرح ابن متوکل بخاری نے اسی ۸۰ ہزار درہم۔ حافظ کبیر ابن سنجر نے نو ہزار اشرفیاں۔ حافظ ابن رستم نے تین لاکھ درہم اور امام ذہبی نے ڈیڑھ لاکھ درہم طلب علم میں خرچ کے۔

(تذج اص ۲۵۵۔ ج ۲ ص ۱۰۔ وص ۱۵۶ وص ۱۷۴۔ وص ۱۱۴)

ابو بکر جورقی کی نسبت روایت ہے کہ انہوں نے طالب علمی میں ایک لاکھ درہم خرچ کیے اور جس فن کو اتنا گراں خریدا اس کو کبھی سستا نہیں بیچا یعنی اس کے

ذریعے سے کبھی دنیا نہیں کمائی۔ (تذ ۳ ص ۳۱۹)

مسند کبیر کے مصنف کا علم پر مال لٹانا:

ابو یوسف سدوسی حافظ علامہ جن کی مسند کبیر فن حدیث میں ایک گراں مایہ کتاب ہے بہت متمول اور باثروت تھے چالیس کاتب ان کی سرکار میں شب و روز کتابوں کی نقل کے واسطے حاضر رہتے۔ اگلے علما جس حوصلے اور ہمت سے کتابیں تصنیف کرتے تھے۔ وہ اس سے عیاں ہے کہ جس مسند کو کبیر کا لقب ملا ہے اس کی تیاری اور تکمیل میں دس ہزار اشرفیاں صرف ہوئی تھیں۔ (تذ ج ۲ ص ۱۵۵)

علمی کارناموں کے خوشی میں بذل اموال:

ابو مسلم صاحب سنن نے اول مرتبہ روایت حدیث کرنے کی خوشی میں دس ہزار درہم خیرات کیے۔ فاروق خطابی ان کے ایک شاگرد راوی ہیں کہ جب ہم لوگ ان سے سنن سن کر فارغ ہوئے تو ہماری ضیافت انہوں نے بڑی دھوم سے کی جس میں ایک ہزار اشرفیاں خرچ ہوئیں۔ (تذ ج ۲ ص ۱۹۵)

اسی طرح جب ابن احمد ہمدانی نے پہلی بار اپنے وطن ہمدان میں املاے حدیث کیا تو سات سو اشرفیاں طلبائے حدیث کے نذر کیں۔ (تذ ج ۳ ص ۱۹۴)

شاہ عبدالعزیز صاحب حافظ ابن حجر عسقلانی کے حالات میں فرماتے ہیں کہ جب حافظ ممدوح بخاری کی شرح فتح الباری کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اس مسرت میں انہوں نے ایک شاندار دعوت پانسو اشرفی لگا کر کی۔ (بستان ص ۱۹۴)

دار قطنی کے استاد امام وعلیج کی سرکار سے محدثین مکہ مکرمہ عراق وسجستان کے

وظائف مقرر کئے تھے۔(تذ ج ۳ ص ۹)

حافظ ابو عبداللہ رازی اخیر دفعہ بصرے گئے تو صرف کاتبین کی اجرت کی بابت دس ہزار درہم ادا کیے۔(تذ ج ۲ ص ۲۱۶)

﴿ مسلمانان سلف میں عموماً علمی ذوق ﴾

علمائے سلف کی علمی شیفتگی سے بحث کرنے کے بعد غالباً ایک نظر اس زمانے کے عموماً اہل اسلام کی علمی حالت پر ڈالنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اس دور شائستگی میں جس طرح ہر شائستہ ملک وملت کے فی صدی تعلیم یافتہ لوگوں کی صحیح تعداد آئینہ ہو رہی ہے اس طرح ہم اگلے زمانے کے خواندہ مسلمانوں کا ٹھیک شمار پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ مگر بہت سے واقعے کتابوں میں ایسے ملتے ہیں جن کی مدد سے قیاس اپنا کام کرسکتا ہے۔ اور ایک تخمینی حالت پچھلے مسلمانوں کی بکثرت تعلیم یافتہ ہونے کی ہمارے ذہن میں پیدا ہوسکتی ہے۔ اس مبحث کو ہم تین حصوں پر تقسیم کرتے ہیں

۱۔ عامۂ مسلمین میں شوق اور رواج۔ ۲۔ بیبیوں میں علم کا چرچا۔ ۳۔ امرا میں علم۔

عامۂ مسلمین میں علم کا شوق اور رواج :

عامہ اہل اسلام میں علمی رواج و مذاق کا پتا لگانے کے تین ذریعے ہمارے پیش نظر ہیں۔ اولاً حاضرین کی تعداد جو ایک ایک حلقہ درس میں شامل اور حاضر ہوتے تھے۔ ثانیاً ان اہل کمال کا شمار جو ایک ایک شہر میں تھے۔ ثالثاً چند متفرق حکایتیں۔

محدثین کے درس کے حلقے:

یحییٰ ابن جعفر بیکندی بیان کرتے ہیں کہ علی ابن عاصم کے حلقہ درس حدیث

میں تیس تیس ہزار آدمی جمع ہوتے تھے۔ یزید ین ہارون نے جب بغداد میں درس حدیث دیا تو اس میں ستر ۷۰ ہزار حاضرین کا تخمینہ کیا گیا۔ ایک مرتبہ سلیمان ابن حرب کے واسطے بغداد میں قصر خلافت کے قریب ایک مرتفع جگہ مثل منبر تیار کی گئی تا کہ اس پر بیٹھ کر املائے حدیث کریں۔ اس مجلس میں امیر المؤمنین مامون الرشید اور تمام امرائے خلافت حاضر تھے جو لفظ امام ممدوح کے منہ سے نکلتا تھا اس کو امیر المؤمنین اپنے قلم سے لکھتے جاتے۔ جب کل حاضرین درس کا تخمینہ کیا گیا تو چالیس ہزار نفوس انداز میں آئے۔ امام عاصم ابن علی املائے حدیث کے واسطے بغداد سے باہر نخلستان میں ایک بلند چبوترے پر بیٹھتے تھے ان کے مستملی ہارون نے اپنے کھڑے ہونے کے واسطے ایک خمدار کھجور کا درخت پسند کر رکھا تھا۔ خلیفہ معتصم باللہ نے ایک بار ایک اپنا معتمد اس مجلس کے شرکا کا انداز کرنے کے لئے بھیجا معتمد نے ارشاد خلافت کی تعمیل کی تو ایک لاکھ بیس ہزار پر حاضرین کی تعداد پہنچی۔ جس قوم کے افراد ایک ایک مجلس علمی میں سوا سو الاکھ جمع ہو جائیں قیاس کیجیے کہ اس قوم کے سینے میں کتنا شوق علم بھڑک رہا ہوگا اور جو شہر اپنے سوا لاکھ باشندے ایک جلسۂ علمی میں بھیج دے وہ کتنا آباد ہوگا۔

(عیون ج ۲ ص ۶)

شرکائے درس کی تعداد معلوم کرنے کا طریقہ:

یہ واقعات پڑھنے کے بعد یہ سوال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ آیا مجالس کے حاضرین کے شمار کرنے کا کیا طریقہ تھا۔ اور حقیقۃ ان روایتوں پر وثوق اس طریقے کی صحت وعدم صحت پر موقوف ہے۔ ذیل کا واقعہ اس سوال کا جواب دیگا۔ احمد بن جعفر

راوی ہیں کہ جب ابو مسلم بغداد میں آئے تو رحبۂ غسان نامے مقام پر انہوں نے حدیث کا املا کیا۔ سات مستملی کھڑے ہوئے۔ جن میں سے ایک دوسرے کو شیخ کی روایت پہنچاتا تھا اور لوگ کھڑے کھڑے تحریر حدیث میں چ مصروف تھے یہ انداز کرنے کیلئے کہ کس قدر آدمی اس وسیع میدان میں فراہم تھے میدان مذکور کی پیائش کی گئی۔ اور دواتوں کا شمار کیا گیا کچھ اوپر چالیس ہزر دواتیں شمار ہوئیں۔ جو لوگ لکھتے نہ تھے صرف سماعاً شریک تھے وہ اس تعداد سے خارج ہیں جب شیخ وقت فریابی نے بغداد میں املائے حدیث کیا تو تین سو سولہ مستملی ان کی مجلس میں حاضر تھے اور حاضر ین تخمیناً تیس ہزار۔ ابوالفضل راوی ہیں کہ جب میں نے فریابی سے حدیث سنی ہے تو قریباً دس ہزار آدمی ان کے پاس ایسے پڑھنے آتے تھے جو دوات قلم لے کر بیٹھتے۔ امام ذہبی ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں یہ شوق اپنے رسول پاک کے اقوال و احوال کا اہل اسلام میں تھا کہ ایک مجلس میں دس دس ہزار دواتیں رکھی جاتی تھیں۔ (تذ ج ۲ ص ۱۹۶۔۲۶۲۔۲۱۰)

امام بخاری کے صرف ایک شاگرد فربری سے نوے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری کی اجازت حاصل کی تھی۔ (مقدمہ ص۔۵۸)

جب فرّا نے اپنی تصنیف کتاب المعانی (فن ادب) کا املا کیا تو لوگوں نے حاضرین کا شمار کرنا چاہا مگر بوجہ ہجوم کے نہ کر سکے۔ صرف قاضیوں کو گنا تو اسی ۸۰ تھے (ابن ج ۲ ص ۲۲۸)

علمی ذوق معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ:

دوسرا ذریعہ عامۃ المسلمین میں علم کی کثرت دریافت کرنے کا ان باکمالوں کی تعداد ہے۔ جو ایک ایک شہر میں ایک ہی وقت میں موجود تھے۔ جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ فی صدی کتنے طلبہ اعلیٰ تعلیم تک پہنچتے ہیں اور پھر اعلیٰ تعلیم تک پہنچنے والوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو علم وفن کی خدمت کیلئے وقف کر کے کمال حاصل کرتے ہیں تو بیشک باکمالوں کی تعداد مسلمانوں میں علم کے عام اور شائع ہونے کی شہادت بن سکے گی۔ ذیل کے واقعے صرف ایک ایک فن کے کملا بتلاتے ہیں۔ مگر قیاس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں کہ جس شہر میں نو سو سے زیادہ سند یافتہ طبیب ہوں گے اس میں کتنے محدث ہوں گے کس قدر ادیب اور کتنے مہندس وغیر ذلک بس اولاً ذہن میں کل فن کے باکمالوں کی تعداد ایک فن کے باکمالوں پر قیاس کر کے قائم کیجئے پھر یہ سوچئے کہ کتنے پڑھنے والوں میں باکمال پیدا ہوتا ہے تو عامۃ مسلمین میں کثرت تعلیم کا ایک اجمالی مفہوم ضرور آپ کے ذہن میں قائم ہو سکے گا۔

بغداد میں شیوخ حدیث کی تعداد:

مسلم ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو شیوخ سے فن حدیث حاصل کیا ہے اور باوجود شیوخ کی اس کثرت کے میں پل (غالباً بغداد کا پل جود جلے پر تھا) اتر کر نہیں گیا۔ یعنی ایک ہی شہر میں آٹھ سو اساتذہ حدیث ان کو ایسے مل گئے جو شیخ کا لقب حاصل کر چکے تھے۔ (تذ ج اص ۳۶۱)

بغداد کے اسپیشلسٹ ڈاکٹروں کی تعداد:

۳۱۹ھ میں خلیفہ عباسی مقتدر باللہ کو یہ سن کر سخت افسوس ہوا کہ شہر بغداد میں ایک شخص کی جان کسی طبیب کے جہل مرکب کی نذر ہوگئی۔ آئندہ کی انسداد کے لئے رئیس الاطبا ابن ثابت کے نام یہ حکم صادر کیا گیا کہ تمام اطبائے بغداد کا امتحان لیا جائے جو امتحان میں کامیاب ہوں ان کو سند عطا ہو اور جو ناکامیاب رہیں ان کو علاج کرنے سے روک دیا جائے۔ بغرض مزید احتیاط سند میں اس امر کی تشریح بھی ہو کہ دارندہ سند کو فلاں فلاں قسم کے امراض کے معالجے کی اجازت ہے تاکہ وہ انہیں امراض کا علاج کر سکے جن سے اس کو پوری واقفیت ہو۔ ابن ثابت نے فرمان خلافت کی تعمیل کی اور کل اطبائے دارالسلام کا امتحان لیا گیا۔ یہ حیرت خیز بات نہیں ہے کہ بعد امتحان دارالخلافہ کے دونوں حصوں میں جن اطباء کو سند علاج عطا ہوئی ان کی تعداد کچھ کم نو سو تھی۔ مزید برآں وہ اطبا اس شمار سے خارج ہیں جو بوجہ شہرت فضل وکمال امتحان سے مستثنیٰ رہے یا جن کو سرکار خلافت میں تعلق حاصل تھا۔ خدا کو علم ہے کہ ایسے طبیب کتنے تھے اور ان کی تعداد نو سو کے عدد کو کہاں تک بڑھا دیتی۔

امام ادب نضر بن شمیل جب بصرے سے خراسان کو جانے لگے تو تین ہزار آدمی شہر سے ان کی مشایعت کو ایسے نکلے جو یا نحوی تھے یا لغوی عروضی تھے یا محدث یا اخباری۔

(ابن ج ۳ ص ۱۶۱)

کیا ہم انہیں اسلاف کے خلف ہیں جن میں کمال کی یہ کثرت تھی۔ ہماری پست حالت تو ان واقعات کو بھی رستم واسفندیار کے افسانوں کے پہلو بہ پہلو بٹھانے

پر آمادہ ہے۔ جیسے تین ہزار اہل بصیرت ایک شہر بصرہ کے باہر آئے تھے ویسے تین بھی آج تمام دنیائے مسلمین میں یقیناً نہیں نکلیں گے۔ جس قوم میں یہ قحط رجال ہو اس کے اگلے شہروں کی یہ مردم خیزی محال تو بے شک نہیں مگر بعید از حاصل وخیال تو ضرور ہے۔

علمی ذوق معلوم کرنے کا تیسرا ذریعہ:

تیسرا ذریعہ یہ متفرق واقعے ہیں جن سے ایک نہ ایک پہلو سے ہمارا مدعا عیاں ہوتا ہے۔ ابن الاعرابی کوفی نے ایک روز اپنے درس میں دو آدمیوں سے جو کہ باہم باتیں کر رہے تھے ان کا وطن دریافت کیا۔ ذرا غور سے سنیے کہ ایک نے اپنا وطن اسپیچاب (متصل سرحد چین) بتلایا۔ دوسرے نے اسپین۔ ابن الاعرابی کو اس خیال سے حیرت ہوئی کہ کس قدر دور دراز ملک کے باشندوں کو شوق علم کی کشش ان کی مجلس میں کھینچ لائی تھی۔ (ابن ج ا ص ۴۹۳)

امام ابو العباس نے ایام طالب علمی میں اپنی والدہ سے اجازت چاہی کہ امام قتیبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوں مگر اجازت نہ ملی اور انہوں نے عزم فسخ کر دیا۔ اب ان کی والدہ رحلت فرما گئیں تو یہ بلخ پہنچے۔ قتیبہ انکے پہنچنے سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ کسی جلیل القدر استاد کے فیض سے محروم رہ جانا ان دنوں دنیائے اسلام میں ایک ایسی مصیبت عظمیٰ سمجھی جاتی تھی کہ لوگ ابو العباس کے پاس ان کی محرومی کی تعزیت کیلئے آتے تھے۔ (تذ ج ۲ ص ۲۱۳) حافظ کبیر ابو نعیم کی کتاب الحلیہ کا پہلا نسخہ جب نیشاپور پہنچا تو وہاں اس کی یہ قدر ہوئی کہ چار سو اشرفی کی فروخت ہوئی۔ (تذ ج ۳ ص ۲۹۳)

علامہ محدث ابن فطیس قرطبی کی کتابیں ان کی وفات کے بعد بیچی گئیں تو چالیس ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوئیں۔ (تذ ج ۳ ص ۲۶۲)

بیبیوں میں علم کا ذوق :

جن کتابوں کی مدد سے ہم نے یہ اوراق مرتب کئے ہیں وہ عورتوں کی تعلیمی حالات سے اور بھی خاموش ہیں۔ لیکن خوش قسمتی سے کچھ واقعات متفرق ایسے ملے ہیں۔ جو صاف کہہ رہے ہیں کہ ہماری ترقی کے دور میں انسانی صنف نازک بھی ایک علمی شان و مرتبہ رکھتا تھا اور جو کمالات اگلے مسلمان حاصل کرتے تھے ان میں ان کی ماؤں اور بہنوں کی مدد غیر معتد بہ نہیں ہوتی تھی امام حافظ ابن عساکر مؤرخ دمشق نے جن اساتذہ سے فن حدیث حاصل کیا تھا ان میں اسی ۸۰ سے زیادہ عورتیں تھیں۔

(تذ ج ۴ ص ۱۲۳)

مسلمان لیڈی ڈاکٹر:

حفید ابن زہر اشبیلیہ کے طبیب مشہور کی بہن اور بھانجی طب اور معالجات کی عاملہ تھیں اور امراض نسواں کے معالجے میں بالخصوص ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ خلیفہ منصور (فرماں روائے اندلس) کے محلات کا علاج ان کے سپرد تھا۔ ان بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جیسے عموماً گھر کی بڑی بوڑھیاں عورتوں اور بچوں کے علاج کرلیا کرتی ہیں ایسی ہی ابن زہر کی بہن اور بھانجی بھی ہوں گی۔ مؤرخ ابن ابی اصیبعہ جو علاوہ علامہ وقت ہونے کے اعلیٰ درجے کے طبیب بھی تھے اپنی تاریخ میں ان کی نسبت یہ الفاظ لکھتے ہیں۔

وَ كَانَتْ اُخْتُهُ وَانْبَتُهَاهٰذِهٖ عَالِمَتَيْنِ بِصِنَاعَةِالطِّبِّ وَالْمُدَاوَاةِ وَلَهُمَاخُبْرَةٌ جَيِّدَةٌ بِمَا يَتَعَلَّقُ بِمُدَاوَاةِ النِّسَآءِ . (عیون ج۲ص۷۰)

امام یزیدابن ہارون کوآخرعمر میں ضعف بصارت نے کتاب بینی سے معذور کردیا تھاانکی جاریہ اس مصیبت میں ان کے کام آتی اور وقت ضرورت کتابیں دیکھ کر ان کیلئے حدیثیں یادکرلیتی۔(تذج۴ص۲۹۲)

باندی کاعلمی ذوق:

ابن سماک کوفی نے (جواپنے عہد میں مشہور عالم تھے) ایک مرتبہ تقریر کرنے کے بعداپنی جاریہ سے پوچھا کہ میرا طرز بیان کیسا ہے۔سخن شناس جاریہ نے کہا کہ تقریرتواچھی ہے۔لیکن اتنانقص ہے کہ تم ایک ہی بات کو بار بار کہتے ہو۔

ابن سماک۔''میں اعادہ کلام اس لئے کرتا ہوں کہ جومخاطب اول مرتبہ نہ سمجھتے ہوں وہ بھی سمجھ جائیں''۔

جاریہ۔''جب تک کم فہم سمجھیں گے۔سمجھنے والے مکدر ہوچکیں گے''۔(ابن ج۱۹۴)

ابن جوزی کی پھوپھی:

امام ابن جوزی کوان کے والد،تین برس کا چھوڑ کر رحلت کر گئے تھے باپ کے بعد یتیم بچے کی پرورش کی کفیل پھوپھی ہوئیں۔ابن جوزی کی بہت چھوٹی عمر تھی کہ ان کی پھوپھی ان کو لے کر علما کے حلقہ درس میں جایا کرتی تھیں تاکہ بچپن سے ہی انکے کان علمی باتوں سے آشنا ہوجائیں۔اس حفظ اوقات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ابن جوزی دس برس کی عمر میں وعظ فرمانے لگےاور بڑھ کر دنیا کے ایک جلیل القدر امام ہوگئے۔

(تذج۴ص۱۳۶۔۱۳۷)

ربیعۃ الرائے کے علم میں ماں کا حصہ:

امام ربیعۃ الرائے (استاد امام مالک وخواجہ حسن بصری) کے والد فروخ خلافت بنی امیہ کے عہد میں لشکر میں ملازم تھے جس زمانے میں امام ممدوح اپنی والدہ کے بطن میں تھے اس وقت خراسان کو ایک لشکر خلیفہ دمشق کی جانب سے روانہ کیا گیا اور فروخ کی خدمت اس لشکر کے سپرد ہوئی۔ وہ دور اسلامی فتوحات کا دور تھا اور مسلمان فرماں روا بر و بحر کو اسلامی پرچم کے نیچے لانے کا تہیہ کر رہے تھے۔ فروخ کو خراسانی مہم میں ستائیس برس لگ گئے جب وہ لوٹے تو جس بچے کو ماں کے پیٹ میں چھوڑ گئے تھے وہ بڑا ہو کر امام وقت بن چکا تھا۔ قصہ مختصر فروخ لوٹ کر اپنے وطن مدینہ منورہ کو آئے اور گھوڑے پر سوار نیزہ ہاتھ میں لئے اپنے گھر کے دورازے پر پہنچے اور بند دروازے کو نیزے کی انی سے کھٹکھٹایا۔ ربیعہ نے جو کھٹکا سنا تو دروازہ کھولا اور باہر آئے گرچہ باپ نے بیٹے کو نہیں پہچانا مگر گھر ان کا تھا۔ دروازہ کھلنے پر بے تکلف اندر جانے لگے۔ ربیعہ نے جو دیکھا کہ ایک اجنبی سوار اندر جانا چاہتا ہے تو ان کو وحشت ہوئی اور للکار کر کہا کہ یَاعَدُوَّ اللّٰہِ تو میرے مکان میں کس طرح گھسا پڑتا ہے۔ سپاہی منش فروخ کو جس کی رگوں میں فتح کا جوش تازہ تھا یہ سن کر طیش آیا اور کہا کہ خدا کے دشمن میری حرم سرا میں تیرا کیا کام۔ غرض بات بڑھی اور خدائی پنچ پڑوسی جمع ہو گئے امام مالک صاحب بھی استاد کا معاملہ سمجھ کر تشریف لے آئے اور مصلحانہ لہجے میں فروخ سے کہا کہ بڑے میاں آپ کو ٹھرنا ہی مقصود ہے تو دوسرا مکان موجود ہے۔ امام صاحب کی نرمی نے فروخ کے دل پر اثر کیا اور کہا کہ جناب میرا نام فروخ ہے

اور یہ مکان میرا ہے۔ ربیعہ کے والدہ نے نام سن کر پہچانا اور کہا کہ یہ تو ربیعہ کے باپ ہیں۔ اب تو باپ بیٹے گلے ملے اور مل کر خوب روئے۔ دلوں کی حرارت جب رونے سے کم ہوئی تو دونوں گھر میں آئے اندر آ کر پھر جوش محبت میں صاف دل باپ نے بی بی سے پوچھا کہ یہ میرا ہی بیٹا ہے انہوں نے کہا ہاں۔ فروخ جب اطمینان سے بیٹھ لیے تو ان کو وہ تیس ہزار اشرفیاں یاد آئیں جو چلتے وقت بی بی کو دے گئے تھے اور انکی نسبت استفسار کیا۔ زیرک بی بی نے کہا کہ گھبرائیے نہیں۔ حفاظت سے رکھی ہیں ربعیۃ الرائے اس عرصے میں مسجد نبوی میں جا کر اپنے حلقہ درس میں متمکن ہوئے جس میں امام مالک اور خواجہ حسن بصری جیسے اعیان شامل تھے تلامذہ کا یہ ہجوم تھا کہ چاروں طرف سے شیخ کو گھیرے ہوئے تھے۔ فروخ جو نماز پڑھنے مسجد میں گئے تو وہاں یہ عالم دیکھا اور دیر تک شوق سے اس مجمع کو دیکھتے رہے۔ ربیعہ اس وقت سر جھکائے ہوئے تھے اور سر پر اونچی ٹوپی تھی۔ اس لئے باپ کو ایک دفعہ پھر بیٹے کے پہچاننے میں دقت ہوئی اور انہوں نے متعجب ہو کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ شیخ کون ہے؟ سامعین نے جواب دیا ربیعہ ابن عبدالرحمٰن۔ فروخ کے اس وقت کی مسرت کا اندازہ سوائے عالم الغیب کے کون کر سکتا ہے۔ فرط مسرت میں انکی زبان سے بے اختیار نکلا لَقَدْ رَفَعَ اللّٰہُ اِبْنِیْ جب خوش خوش گھر آئے تو بی بی سے سارا ماجرا بیان کیا۔ بی بی نے کہا کہ آپ کو کیا زیادہ پسند ہے۔ بیٹے کی یہ شان یا تیس ہزار اشرفیاں شوہر نے کہا کہ واللہ میں اس شان کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بی بی۔ میں نے وہ اشرفیاں ربیعہ کی تعلیم میں صرف کر دیں۔ زندہ دل شوہر۔ وَاللّٰہِ مَا ضَیَّعْتِہٖ (قسم رب کی تم نے وہ مال ضائع نہیں کیا) اس واقعے میں یہ امر قابل غور ہے کہ ایک بچہ باپ کی تربیت سے محروم ہو کر ماں

کی حفاظت میں رہے اور ماں کے قبضے میں تیس ہزار اشرفیاں ہوں۔ پھر اس بچے کو ایسی بیش بہا تعلیم دی جائے کہ اس کے شاگرد دنیا کے نامور امام ہوں بے شک یہ اس عہد کی عورتوں کی عقیل اوعلم دوست ہونے کی دلیل ہے۔ ہمارے ملک میں اگر چودھویں صدی کی کسی ماں کے اختیار میں تیس ہزار اشرفیاں اور ایک بچہ دیدیا جائے تو معلوم نہیں بلند اقبال صاحبزادے کے اخلاق کہاں تک ترقی کریں۔

(ابن ج ا ص ۱۸۳)

عربی کے ریاضیات میں شرح چغمنی جس پایے کی کتاب ہے اس سے ہر ایک مشرقی طالب علم واقف ہے لیکن یہ بات بہت کم معلوم ہوگی کہ اگر قاضی زادہ روم کی خواہر اپنے بھائی کی مدد نہ کرتیں تو ہمارے کتاب خانے اس مشہور کتاب سے محروم رہتے۔ شارح چغمنی نے ابتدائے علوم کی تحصیل اپنے وطن روم میں کی تھی جب اساتذہ عجم کے کمال کا شہرہ انہوں نے سنا تو خراسان کا شوق ان کے دل میں پیدا ہوا۔ اور چپکے چپکے سامان سفر کرنے لگے۔ ان کی بہن اپنی زیرکی سے بھائی کے ارادے کو پا گئیں اور بجائے اس کے کہ رو پیٹ کر گھر بھر کو خبردار کر دیتیں۔ اپنا بہت سا زیور بھائی کے سامان سفر میں چھپا چھپا کر رکھ دیا۔ تا کہ مسافرت میں خرچ کی طرف سے پریشانی نہ ہو۔ بہن کے اس عزیز توشے نے جو نفع دیا ہوگا۔ اس کا اندازہ علامہ بھائی کے دل سے کوئی پوچھتا۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ امام بخاری نے جب چودہ برس کے سن میں علم حاصل کرنے کیلئے سفر شروع کیا تھا۔ تو ان کی والدہ اور خواہر نگرانی کی متکفل تھیں۔

امراء میں علم کا ذوق :

ہم اس عنوان میں صرف دو تین مثالیں بیان کریں گے۔ مثالوں کی قلت کسی کے ذہن میں واقعات کی قلت کا شبہ نہ پیدا کرے۔ ابتدائی ہجری صدیوں میں مسلمان امراء عالم ہونے کی حیثیت سے علما کے پہلو بہ پہلو رہے ہیں۔ بنی موسیٰ اور سیف الدولہ کے فضل وکمال سے کون واقف نہیں۔ مگر چونکہ ہم دوسری وادی میں ہیں اس لئے انہیں مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

کاش میں طبرانی ہوتا:

استاد ابن عمید وزیر آل بویہ نے ایک دفعہ بیان کیا کہ میں اس خیال باطل میں تھا کہ وزارت وریاست سے زیادہ پر لطف کوئی چیز دنیا میں نہیں۔ مگر جب میں نے سلیمان ابن ایوب طبرانی اور جعانی کا مناظرہ سنا تو اس لطف کو بھول گیا۔ اس مناظرے میں طبرانی قوت حافظہ کے زور سے اور جعانی جودت ذہن کی مدد سے اپنے اپنے حریف پر غالب آنے کی کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ ان کی آوازوں میں بلندی پیدا ہونے لگی۔ ایک بار جوش میں جعانی نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسی حدیث ہے جو سارے عالم میں کسی کے پاس نہیں۔

طبرانی۔ ''بسم اللہ سنایئے''۔ جعانی نے سلسلہ روایت شروع کیا۔ ابو خلیفہ تا سلیمان ابن ایوب۔

طبرانی۔ ''سلیمان ابن ایوب میرا ہی نام ہے''۔ اور ابو خلیفہ نے یہ حدیث مجھی سے حاصل کی تھی۔ اب تم مجھ سے اس کی سند عالی حاصل کرو۔

جعانی یہ سن کر دم بخود رہ گئے۔ مجھ کو طبرانی کے اس وقت کی فرحت دیکھ کر یہ تمنا ہوئی کہ کاش میں طبرانی ہوتا تا کہ یہ لطف فرحت مجھ کو نصیب ہوتا۔ (شق ج ا ص ۱۷)

وزیر کی کتابوں کیلئے تیس اونٹ درکار تھے:

ادیب بے مثل صاحب ابن عباد فخر الدولہ کے وزیر تھے ایک موقع پر امیر بخارا نوح سامانی نے اپنی وزارت کے لئے ان کو در پردہ طلب کیا۔ ابن عباد نے خفیہ نہ آسکنے کے جو عذر لکھے ان میں یہ بھی تھا کہ صرف میری کتابوں کے اٹھانے کے لئے چار سو اونٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وزیر ممدوح کے ہمراہ ہر سفر میں اتنی ادب کی کتابیں رہتی تھیں کہ ان کے اٹھانے کیلئے تیس اونٹ درکار ہوتے تھے۔

(ابن ج ا ص ۷۶۔۳۳۴)

قاضی فاضل کا سراپا قلب و دماغ معلوم ہونا:

علامہ موفق الدین بغدادی ایک بار قاضی فاضل سے ملنے گئے جو سلطان صلاح الدین کے سب سے زیادہ مقرب امیر تھے۔ جب یہ ان کی خدمت میں پہنچے تو ان کو اس حال میں پایا کہ خود لکھ رہے تھے اور دو کاتبوں کو مضمون بتلاتے جاتے تھے جب یہ پہنچے تو ان سے بہت سے علمی نازک سوال کیے مگر لکھنا اور مضمون بتلانا برابر جاری رہا۔ علامہ ممدوح بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص سراپا قلب و دماغ معلوم ہوتا تھا۔ دوران تحریر میں ان کے لب اور چہرے سے جو رنگ رنگ کے حرکات ہویدا ہوتے تھے وہ صاف کہہ رہے تھے کہ کس قدر ولولہ ان کی طبیعت میں مضمون آفرینی کا تھا۔

(عیون ج ۲ ص ۲۰۵)

☆ عنوان دوم ☆

﴿ حق پسندی درست گوئی ﴾

جس پاک گروہ کو ہم نے مدارس میں سرگرم طلب علم چھوڑا تھا اب اس کی نسبت یہ دیکھنا ہے کہ مکتب و مدرسہ سے باہر آ کر ان کے اخلاق اور ان کی طرز معاشرت کیسی رہی۔ اس سے علاوہ اس کے کہ علماء کے مزید حالات معلوم ہوں ہماری گزشتہ تعلیم کی نسبت یہ رائے قائم ہو سکے گی کہ وہ کس ڈھنگ کے انسان پیدا کرتی تھی۔

عنوان ہذا میں ہم اخلاق انسانی کی سب سے اعلیٰ اور افضل صفت کو اپنا موضوع قرار دیتے ہیں۔ وہ کیا ''حق پسندی اور راست گوئی''۔ دنیا میں شاید کوئی انسان ہوگا جو اس امر کا مدعی نہ ہو کہ وہ حق اور راستبازی پر دل و جان سے شیدا ہے۔ لیکن عمل (جو قول کی کسوٹی ہے) صاف کھرے اور کھوٹے کی حقیقت کھول دیتا ہے۔ اور حق یہ کہ حق پسندی جتنی بے بہا صفت ہے اسی قدر دشوار اور معرکہ خیز ہے۔ وہ شخص بے شک حق پرست ہو سکتا ہے جو زبردست کے خوف، منفعت کی امید اور عزیزوں کی محبت کو حق پر سے نثار کر دے یا با الفاظ دیگر سوائے حق کے اس کو کسی سے کچھ سروکار نہ ہو۔ کیا فرمایا تھا حضرت خیر البشر نے اپنے صحابی جناب عمرؓ کی نسبت **فترکه الحق ومالہ من صدیق** یعنی حق گوئی نے عمرؓ کو بے یار کر کے چھوڑا مگر ایسے انسان دنیا میں بہت کم ہوئے ہیں۔ خداوند تعالیٰ جن دلوں کو اس قدر بے لوث فرما دیتا ہے کہ وہ بجز حق کے سب سے بیگانہ ہو جاتے ہیں وہ البتہ اس عالی رتبے کو حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک سچ کی خاطر زبردست سے بیخوف، فائدے سے بے پروا اور عزیزوں سے نا آشنا

رہنا بے حد مشکل ہے اور غالباً کسی آدمی کی حق پرستی کے امتحان کے لئے ان حالتوں سے زیادہ عمدہ معیار ہاتھ آنا ناممکن ہے۔ لہٰذا ہم علمائے سلف کی حق پسندی انہیں تینوں سے حق کے دشمنوں کے مقابلے میں ثابت کریں گے ورنہ وعظ اور نصیحت یہ دونوں تو بڑے دلکشا میدان اظہار حق کے ہیں۔

حق پسندی بمقابلہ حکام:

لفظ حکام میں جس قدر جبروت اور قہاری اگلی تاریخ میں نظر آتی ہے اس کی نظیر آج کل کے آئینی عہد میں ملنی ناممکن ہے جس سلطنت کے زیر سایہ ہم رہتے ہیں وہ تو ایسی امن دوست اور رفاہ پسند ہے کہ ان مہیب صفات کا کوئی شمہ اِن ممالک میں نہیں پایا جاتا و الحمدللہ علیٰ ذالک مگر سارے عالم کے مخبر اخبار بھی ہم کو زمانہ حال میں کوئی ایسا فرماں روا نہیں بتلاتے جس کے دربار میں حجاج ابن یوسف یا تیمور کی ہیبت کا نشان مل سکے۔ پس جب ہم دور عافیت میں حق پسندی کا قحط پاتے ہیں تو اگلے زمانے میں اس صفت کا وجود عنقا ہونے چاہئے تھا۔ لیکن واقعات اس کے خلاف ثابت کرنے کو آمادہ ہیں۔ ان واقعات کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جن بزرگوں نے اگلے جلاد بادشاہوں کے عہد میں حق کو نبھایا انہوں نے بڑا کام کیا۔

ابن عمرؓ کا حجاج کے روبرو اظہار حق:

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے حجاج کو خطبہ پڑھتے دیکھا تو غضب آلود ہو کر برملا فرمانے لگے۔ خدا کا دشمن! خدا کی حرام کی ہوئی باتوں کو اس نے حلال کیا۔ خدا کے گھر کو خراب کیا اور خدا کے دوستوں کو قتل کیا۔ حجاج نے اپنی نسبت یہ

سخت کلمات سن کر پوچھا کہ یہ کون ہے۔ کسی نے کہا عبداللہ ابن عمر اتنا سن کر وہ سفاک آپ کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ بڑے میاں اب تم سٹھیا گئے ہو اور تمہارے حواس بجا نہیں رہے۔ منبر سے اترا تو دل میں بخار بھرا ہوا تھا اپنے ایک ملازم کو ایما کیا اور اس نے ایک زہر میں بجھا ہوا حربہ حضرت ابن عمرؓ کے پاؤں پر مار دیا۔ اسی ہتھیار کی زہریلا پن آپ کی وفات کا باعث ہوئی مزید عنایت دیکھئے جو مرض خود پیدا کیا تھا اس کی عیادت کو آیا مگر حضرت عبداللہ نے اس کے سلام کا جواب دیا نہ کلام کا۔

(اتذج ا ص ۳۲)

جو واقعہ ہم آگے بیان کرتے ہیں وہ استقلالی اور ثابت قدمی کی ایک بے نظیر مثال پیش کرتا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق پرستی ان بزرگوں کے دل ایسے مضبوط کر دیتی تھی کہ موت ان کے سامنے کھڑے ہوتی اور وہ بے پروائی سے ہنستے اور جلاد کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ ان کے واسطے کوئی خوفناک چیز ثابت نہ ہوتی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

سعید ابن جبیرؒ کے حجاج کو کھرے کھرے جوابات:

جلیل القدر تابعی حضرت سعید ابن جبیر سے دولت بنی امیہ مخالف ہو گئی تھی اور یہ بچتے پھرتے تھے مگر ایسی زبردست سلطنت کے پنجے سے بچنا ناممکن تھا۔ والی مکہ نے ایک موقع پر ان کو پکڑ کر حجاج کے پاس بھیجدیا۔ اس کی جفا جو طبیعت کو گویا ایک ضیافت ہاتھ لگی۔ جب یہ پیش ہوئے تو اس نے ان کا نام پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر' حجاج اس وقت اس قدر طیش میں تھا کہ ان کو ان کے نام کے اچھے الفاظ

بھی تلخ معلوم ہوئے اور ان سے جوش غضب میں کہا کہ اَنتَ شقِی بن کُسیر۔

سعید: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔ حجاج اور بگڑا اور کہا کہ شقیت امک و شقیت انت یعنی تمہاری والدہ بھی بد بخت اور تم بھی بد بخت

سعید: غیب کا جاننے والا تیرے سوا اور ہے۔

حجاج: (جل کر) دیکھو تو میں تم کو دنیا کے بدلے میں کیسی لپٹیں مارتی ہوئی آگ دیتا ہوں۔

سعید: اگر میں یہ جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو میں تجھ کو اپنا معبود بنا لیتا۔

اب حجاج نے (جوان کے قتل کیلئے بہانہ ڈھونڈ ھتا تھا) ان سے مذہبی سوال شروع کیئے جو پولیٹیکل پہلو لیے ہوئے تھے اور پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی نسبت تمہارا کیا قول ہے۔

سعید: آپ نبی رحمت اور امام ہدیٰ تھے۔

حجاج: خلفاء کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔

سعید: لَسْتُ عَلَيْهِمَ بِوَكِيْل (میں ان کا قاضی نہیں)

حجاج: ان میں سے کون سب سے بہتر تھا۔

سعید: ارضاهم لخالقي جو میرے مالک کی مرضی کا سب سے زیادہ پابند تھا۔

حجاج: کون سب سے زیادہ رضا جو تھا۔

سعید۔ عِلْمُ ذٰلِکَ عِنْدَ الَّذِیْ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهم (اس کو وہ خوب جانتا ہے جو ان کے بھیدوں سے اور پوشیدہ باتوں سے واقف ہے) غرض عرصے تک اس قسم کے سوال جواب رہے مگر حضرت ابن جبیرؒ نے کوئی موقع گرفت کا نہیں پیدا ہونے

دیا۔ اوراپنے صاف صاف مگر بچے تلے جوابوں سے حجاج کی برہمی برابر بڑھاتے گئے۔

آخراس نے کھسیا کر کہا: **اختر یا سعید ای قتلة اقتلک** (اے سعید بتاؤ میں کس شکل سے تم کو قتل کروں)۔

سعید: **اختر یا حجاج لنفسک فو اللہ لا تقتلنی قتلة الّا قتلک اللهم مثلها**

(اے حجاج تو خود ہی پسند کر لے قسم رب کی جس طرح تو مجھ کو قتل کریگا اسی طرح خدا تجھ کو قتل کرے گا)

حجاج: کیا میں معاف کردوں۔

سعید: اگر عفو ہو تو خدا کی طرف سے ہو۔ رہا تو پس تو نہ کسی کو بری کر سکتا ہے نہ کسی کا عذر قبول۔

اتنی بحث کے بعد حجاج نے آخری حکم دیدیا وہ جلاد حضرت جبیر کو باہر لائے۔ حجاج تو اپنی انتہائی طاقت صرف کر چکا تھا۔ لیکن خدا کے سعید بندے کو ابھی تسلی نہیں ہوئی تھی جب باہر آئے تو ہنسے۔ حجاج کو خبر ہوئی تو اس نے پھر بلایا اور ہنسی کی وجہ دریافت کی۔

ابن جبیر نے فرمایا: **عجبت من جرأتک علی اللہ و حلم اللہ علیک**

(مجھ کو خدا کے مقابلے میں تیری جرأت پر اور تیری نسبت خدا کے حلم پر تعجب ہوا) حجاج (اس گرم فقرے کو سن کر اور بھڑکا اور جلادوں سے کہا کہ میرے سامنے گردن مارو۔

اب ابن جبیر شہادت کے لئے مستعد ہو گئے اور قبلہ رو ہو کر فرمایا:

وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ

(میں نے اپنا منہ کیا اسی طرف جس نے بنائے آسان وزمین ایک طرف کا ہوکر اور میں نہیں شریک کرنے والا)

حجاج: ان کا منہ قبلے سے پھیر دو۔

سعید۔ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ الله (جدھر تم پھروگے اسی طرف خدا کا منہ ہے)

حجاج۔ اوندھا ڈال دو۔

سعید۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيْدُ كُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى

(ہم نے اسی سے (یعنی زمین سے) تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے ایک دفعہ تم کو پھر نکالیں گے) حجاج نے ان کی سیف زبانی سے تنگ جلادوں کو اشارہ کیا کہ جلد اپنا کام کرو۔

سعید: سن لے میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اور کوئی اسکا شریک نہیں۔ اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے رسول ہیں۔ میری جان تو لے جب تو میدان حشر میں مجھ کو ملیگا تو میں تجھ سے لے لوں گا۔ حضرت ابن جبیر کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ جلاد کا ہاتھ اٹھا اور ان کا سر تن سے جدا ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

بنا کردند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بعد قتل ان کے جسم سے خلاف معمول خون بہت نکلا۔ جس سے حجاج سفاک کو بھی حیرت ہوئی۔ اور اس نے اپنے طبیب خاص تیاذوق سے اس کی وجہ دریافت کی۔ تیاذوق نے کہا چونکہ ان کی خاطر بالکل مطمئن تھی اور قتل کا خوف قطعاً ان کے دل میں

نہ تھا اس لئے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا۔ بخلاف اور مقتولوں کے کہ ان کا خون ہیبت کے مارے پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے علاوہ اس طبی شہادت کے حضرت ابن جُبیر کے کلام کی برجستگی صاف کہہ رہی ہے کہ ان کی طبیعت بالکل آسودہ اور آرمیدہ تھی اور اضطراب کا نام بھی ان کے قلب میں نہ تھا۔ یہ شعبان ۹۵ ھ کا واقعہ ہے۔ رمضان مذکور میں حجاج بھی راہی عدم ہوگیا۔ (ابن ج ص ۲۰۵ وعیوان ج ص ۱۳۳)

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چندان اماں نداد کہ شب را سحر کند

سعید ابن المسیب کی مروانیوں کے خلاف جرات:

انہیں کے ہمنام اور ہمعصر دوسرے تابعی حضرت سعید بن المسیب کا ذکر ابن السائب کرتے ہیں کہ ایک روز وہ اور میں دونوں بازار میں بیٹھے تھے کہ خلیفہ دمشق کا بَرید (نامہ بر) وہاں سے گزرا۔ ابن المسیب نے اس سے پوچھا کہ تم بنی مروان کے برید ہو۔

برید: جی ہاں۔

ابن المسیب: تم نے ان کو کس حال میں چھوڑا۔

بَرید: بخیر۔

ابن المسیب: نہیں بلکہ تم نے ان کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ آدمیوں کو بھوکا مارتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔

برید یہ سن کر بگڑ گیا اور آنکھیں نکال کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ ابن السائب کہتے ہیں کہ میں دہشت زدہ ہو کر کھڑا ہو گیا کہ دیکھئے اب کیا ہو۔ برید دیر تک تیور بدلے کھڑا

رہا مگر پھر کچھ سوچ کر چل دیا۔ جب وہ جالیا تو میں نے کہا ابن المسیب خدا تم کو نیکی دے تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔ انہوں نے فرمایا بیہودہ چپ رہ جب تک میں حق پر قائم ہوں واللہ خدا مجھ کو دشمنوں کے قبضے میں نہ دے گا۔ ایک دفعہ تیس ہزار (۳۰۰۰) درہم دولت مذکور کی طرف سے ان کی خدمت میں پیش کئے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ نہ مجھ کو بنی امیہ کی پروا ہے نہ ان کے مال و دولت کی۔ میں خدا کے سامنے جاؤں گا، اور وہ میرا اور ان کا انصاف کرے گا۔ اِنہیں حق گوئیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ خلیفہ عبدالملک نے جاڑے کے موسم میں ان کو پٹوا کر سرد پانی ڈلوایا اور ایک دوسرے موقع پر پچاس درے لگوا کر سر بازار تشہیر کرائی۔ (ابن ج ص ۲۰۷)

حسن بصریؒ کا ابن ہبیرہ کو دوٹوک جواب:

عمر ابن ہبیرہ جب خلیفہ دمشق یزید ابن عبدالملک کی جانب سے والی عراق وخراسان مقرر ہو کر آیا تو اس نے خواجہ حسن بصری، امام ابن سیرین اور امام شعبی کو طلب کیا اور ان کے سامنے یہ مدبرانہ تقریر کی،

''یزید ابن عبدالملک کو خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں پر خلیفہ مقرر کیا ہے اور ان سے اس کی اطاعت کا عہد لیا ہے۔ اور ہم سے (یعنی ملازموں سے) اس کے حکم کے سننے اور بجالانے کا۔ مجھ کو جو عہدہ خلافت کی طرف سے عطا ہوا ہے وہ آپ سب کو معلوم ہے خلیفہ کی جانب سے ایک حکم مجھ کو ملتا ہے اور میں اس کی بے تامل تعمیل کرتا ہوں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے''۔

خواجہ بصری نے اس پولیٹیکل گفتگو کا جواب جن صاف اور سچے الفاظ میں دیا

وہ قابل شنید ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ''اے ابن ہبیرہ! یزید کے معاملے میں خدا تعالیٰ سے ڈرو۔ اور خدا تعالیٰ کے معاملے میں یزید کا خوف مت کر۔ خدا تعالیٰ تجھ سے یزید کے شر کو دفع کر سکتا ہے۔ مگر یزید اس احکم الحاکمین کے قہر کو نہیں روک سکتا۔ وہ وقت بہت دور نہیں ہے کہ خداوند عالم تیرے پاس اپنا ایک فرشتہ بھیجے گا جو تجھ کو شاندار تخت اور وسیع محل سے علیٰحدہ کر کے تنگ قبر میں پہنچا دے گا۔ وہاں سوائے تیرے اعمال کے کوئی تجھ کو نجات نہیں دلوانے کا۔ اے ابن ہبیرہ! اگر تو خدا کا گناہ کرے تو خوب سمجھ لے کہ خلیفہ کو اس نے اپنے دین کا اور اپنے بندوں کا محافظ اور ناصر مقرر کیا ہے پس خدا کے دین کے خلاف اس کے مقرر کیے ہوئے حاکم کی وجہ سے جسارت مت کر۔ کیونکہ خالق اکبر کے مقابلے میں مخلوق کا حکم ماننا کسی طرح روا نہیں''۔ (ابن ج ا ص ۱۲۷)

امام ابوحنیفہ کا عہدہ قضاء سے انکار:

اسی یزید ابن ہبیرہ نے امام اعظم کو ایک دفعہ طلب کر کے ان سے عہدہ قضا قبول کرنے کے واسطے کہا۔ امام صاحب چونکہ یہ بار اپنے ذمے لینا نہیں چاہتے تھے لہٰذا انکار کر دیا۔ ابن ہبیرہ اس انکار سے بگڑ گیا اور گیارہ روز تک دس درے روزانہ ان کے لگوائے۔ تاہم اس کا اصرار ان کے انکار پر غالب نہ آ سکا۔ اسی عہدہ قضا کی بدولت امام ابوحنیفہؒ کے مقدر میں اور سختی لکھی تھی۔ جب منصور بغداد کا خلیفہ ہوا تو اس کی نظر بھی اس منصب کے لئے امام ممدوح پر ٹھہری۔ چنانچہ ان کو کوفے سے طلب کیا اور عہدہ مذکور کے قبول کرنے کی فرمائش کی۔ امام صاحب اب بھی اپنی رائے پر سختی سے قائم تھے لہٰذا خلیفہ کی فرمائش قبول کرنے سے عذر کیا۔ منصور نے قسم کھا کر کہا کہ میں تم کو

قاضی مقرر کروں گا۔انہوں نے جواباً بالقسم فرمایا کہ میں اس عہدے کو منظور نہیں کروں گا خلیفہ نے دوبارہ قسم کھائی انہوں نے مکرر قسمیہ انکار کیا۔اور اپنے انکار کی وجہ یہ بیان کی کہ میں اپنے آپ کو اس منصب کے قابل نہیں سمجھتا حاجب ابن ربیع نے (جو دربار میں حاضر تھا) خلیفہ کی خوشامد کی راہ سے کہا کہ امیر المومنین قسم کھا چکے ہیں پھر بھی تم انکار کئے جاتے ہو۔امام فقہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین کے لئے کفارہ قسم ادا کر دینا بہ نسبت میرے زیادہ آسان ہے خلیفہ جب ان کی رائے کو کسی طرح مقید نہ کر سکا تو اس نے خود ان کو قید خانے بھیج دیا اور حالت محبوسی میں ۱۵۰ھ میں اس ایک عالم کے امام نے وفات پائی۔

امام ابوحنیفہ کی حق پرستی:

ان دونوں واقعوں کے ساتھ ایک تیسرا واقعہ اور ملایئے جس سے امتیاز مراتب کا نکتہ حل ہوگا۔ایک زمانے میں حاکم کوفہ نے یہ حکم دیدیا تھا کہ ابوحنیفہ فتویٰ نہ دیا کریں ۔چنانچہ امام صاحب نے فتویٰ دینا چھوڑ دیا تھا۔انہیں روزوں کا ذکر ہے کہ ایک دن امام ممدوح گھر میں تشریف رکھتے تھے بی بی اور بچے پاس تھے۔اسی اثنا میں ان کی صاحبزادی نے روزے کے متعلق ایک مسئلہ پوچھا۔آپ نے فرمایا کہ بیٹا! یہ مسئلہ بھائی حماد سے پوچھ لو مجھ کو حاکم کی طرف سے فتویٰ دینے کی ممانعت ہے۔اس لئے میں تمہارے سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔کیا اس سے بڑھ کر حق پرستی ہو سکتی ہے عہدہ قضا قبول نہ کرنا اپنے نفس کا حق تھا جس کی انہوں نے حاکم اور خلیفہ کے مقابلے میں بر سر دربار نہیں چھوڑا اور فتویٰ نہ دینا حاکم کا حکم تھا جس کو انہوں نے خلوت اور گھر کی چار

دیواری کے اندر بھی ملحوظ تھا۔(ابن ج اص ۱۶۴,۱۶۳,۱۶۶,ج اص ۴۵۲)

یزید ابن حبیب تابعی کا والی مصر پر غصہ:

امام یزید ابن حبیب تابعیؒ ایک دفعہ علیل تھے۔ابن سہیل والی مصران کی عیادت کو آیا۔اثنائے کلام میں اس نے پوچھا کہ جس کپڑے پر مچھر کا خون لگا ہو اس سے نماز جائز ہے یا نہیں۔امام ممدوح نے یہ سن کر غصے سے منہ پھیرلیا اور کچھ نہیں کہا۔ جب امیر مذکور نے چلنے کا قصد کیا تو اس کو نظر بھر کر دیکھا اور کہا تو روزانہ تو خدا کے بندوں کا خون بہاتا ہے اور مچھروں کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلا ہے۔(ابن ج اص ۲۱۳)

امام اعمش کی جرأت :

خلیفہ دمشق ہشام ابن عبدالملک نے اپنا ایک معتمد امام اعمش کوفی کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ ان سے حضرت عثمانؓ کی خوبیاں اور حضرت علیؓ کی برائیاں لکھوالائے۔جب ایلچی ان کی خدمت میں پہنچا اور خلیفہ کا شقہ ان کو دیا تو انہوں نے اس کو پڑھا اور پڑھ کر ایک بکری کے منہ میں دے دیا بکری اس کو چبا چکی تو معتمد خلافت سے فرمایا کہ اپنے آقا سے کہہ دینا کہ ان کے پروانے کا یہی جواب ہے۔ قاصد کو حکم تھا کہ جواب تحریری لائے لہٰذا اس نے منت کی کہ جو کچھ جواب ہو لکھ دیجئے اس کے اصرار سے تنگ آ کر انہوں نے یہ جواب لکھ دیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم اما بعدُ فیا امیر المؤمنین لو کان لعثمان رضی اللّٰہ عنہ مناقب اھل الارض مانفعتک ولو کانت لعلی رضی اللّٰہ عنہ مساوی اھل الارض ماضر تک فعلیک بخویصة

نفسک وَالسّلام. (ابن ج ص ۲۱۳)

یعنی ''اے امیر المومنین اگر حضرت عثمانؓ میں سارے جہاں کی خوبیاں تھیں تو ان سے تم کو کچھ نفع نہیں اور اگر حضرت علیؓ میں دنیا بھر کی برائیاں تھیں تو تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ پس تم خاص کر اپنے نفس کی خبر لو۔ والسلام''۔

ابو جعفر منصور کے سامنے ابن طاؤس کی حق گوئی:

ابو جعفر منصور خلیفہ بغداد نے ایک بار امام مالکؒ اور امام عبداللہؒ ابن طاؤس کو اپنے پاس بلایا۔ اور اثنائے ملاقات میں ابن طاؤس سے کہا کہ اپنے والد سے کوئی حدیث روایت کرو۔ اس فرمائش سے ابن طاؤس کے ہاتھ اس امر کا گویا موقع لگا کہ وہ خلیفہ کو اس کے بے اعتدالیوں اور سختی پر تنبیہ کریں اور انہوں نے یہ حدیث انتخاب کر کے سنائی۔

حدثنی ان اشد الناس عذاباً یو م القیامةِ رجل اشر که اللّٰه تعالٰی فی سلطانه فادخل علیه الجور .

یعنی میرے والد نے مجھ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ قیامت کے دن سب سے بڑھ کر عذاب اس کو ہوگا جس کو خدا تعالیٰ اپنے حکومت میں شرکت دے اور پھر وہ ظالمانہ حکومت کرے۔ منصور جیسے قہار فرمانروا کے سامنے اور یہ جرات امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو ابن طاؤس کے قتل کا پورا یقین ہو گیا اور میں نے اپنے دامن سمیٹ لئے کہ مبادا ان کے خون کی چھینٹیں میرے کپڑوں پر پڑیں۔ خلیفہ دیر تک ساکت رہا۔ عرصے کے بعد نگاہ اٹھائی اور ان سے ایک اور سوال کیا۔ ابن طاؤس کے

قلب پر اب بھی خلیفہ کا رعب غالب نہیں آیا تھا اس سوال کا جواب بھی پوری آزادی سے دیا۔ خلیفہ نے تنگ آکر کہا قُومَا عَنّی یعنی میرے پاس سے دونوں اٹھ جاؤ۔ ابن طاؤسؒ نے فرمایا: ذالکَ ماکنّا نبغی یہ تو ہماری عین مراد ہے اور یہ کہہ کہ اٹھ کھڑے ہوئے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس روز سے میں ابن طاؤس کے فضل کو مان گیا ہوں۔ (ابن ج ا ص ۲۳۳)

ائمہ اربعہ کی حق گوئی:

فقہ کے چار امام جن کی امامت آج تک چار دانگ عالم میں مسلم ہے اور کروڑوں نفوس انسانی پر ان کی روحانی سلطنت صد ہا برس سے قائم ہے ان میں سے امام ابوحنیفہ کا حال آپ سن چکے۔ امام مالکؒ کے ایک دفعہ ستر ۷۰ درّے اس وجہ سے مارے گئے کہ کسی مسئلے میں حق کا اور حکومت کا مقابلہ تھا اور انہوں نے فتویٰ دینے میں حق کی رعایت کی تھی۔ (ابن لج۔ص ۴۳۹)

یہی سلوک امام احمد ابن حنبلؒ کے ساتھ خلیفہ مامون الرشید کی خلافت میں عقائد کے ایک مسئلہ کے اختلاف کی وجہ سے کیا گیا۔ (ابن ج ۲ص ۱۶۴)

ابن سلیمان کا جواب:

ایک دن کا ذکر ہے کہ خلیفہ منصور کے چہرے پر مکھی بیٹھی۔ اس نے اڑا دی۔ مکھی حسب عادت پھر آن بیٹھی۔ خلیفہ نے پھر اڑا دی۔ غرض کئی دفعہ یہی اتفاق ہوا۔ آخر خلیفہ نے جھلا کر ابن سلیمان مشہور مفسر سے پوچھا کہ مکھی پیدا کرنے کی خدا کو کیا ضرورت پڑی تھی اس عالم ربانی نے فرمایا کہ متکبروں کا غرور توڑنے کیلئے پیدا کی ہے۔ (ابن ج ۲ص ۱۱۲)

عباسی خلیفہ کے سامنے امام اوزاعی کی بے باکی:

خلافت عباسیہ نئی نئی قائم ہوئی تھی اور خاندان بنی امیہ کے نیست نابود کرنے اور ملک سے ان کا اثر مٹانے کی کوششیں بڑی بے دردی اور سفاکی سے عمل میں آرہی تھیں کہ اسی اثنا میں عبداللہ ابن علی خلیفہ سفاح کے چچا شام کے حاکم مقرر ہوئے امیر مذکور نے وہاں پہنچ کر اول تو خلافت کے بقیہ دعویداروں کی پورے طور پر صفائی کی اس کے بعد ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا جس میں جاہ وجلال کا اظہار انتہا کو پہنچایا گیا تھا چار جنگی صفیں ایوان دربار میں قائم تھیں جو مختلف مہیب ہتھیاروں سے مسلح تھیں۔ان صفوں کے بیچ میں تخت امارت نصب تھا۔جب امیر نے دربار میں آکر جلوس کیا تو شام کے مقتدیٰ امام اوزاعی طلب کئے گئے۔امام ممدوح جس وقت دارالامارۃ کے دروازے پر پہنچے تو گھوڑے پر سے اتار لئے گئے اور دو آدمیوں نے ان کے بازوں کو پکڑ کر تخت سے اتنا قریب لا کھڑا کیا کہ امیر خود ان سے کلام کر سکے۔امیر نے ان کو دیکھ کر کہا کہ تمہارا نام عبدالرحمٰن ہے؟

امام اوزاعی: جی ہاں۔خدا امیر کو صلاحیت دے۔

امیر: بنی امیہ کی خونریزی کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔

امام: تمہارے اور ان کے مابین چونکہ عہد تھا اس لئے تم کو لازم تھا کہ عہد و پیمان کی رعایت کرتے اور عہد شکنی نہ کرتے۔

امیر: (بگڑ کر) یہ ہم جانیں اور وہ جانیں ہم میں باہم کوئی عہد نہ تھا۔

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں امیر کے تیور پھرے دیکھ کر میرے قلب پر بے کسی

کی سی حالت طاری ہوئی اور جان کا خوف معلوم ہونے لگا اسی وقت مجھ کو خیال آیا کہ عبدالرحمٰن ! ایک دن اس سے بھی بڑے حاکم کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میرے دل کا اضطراب جاتا رہا اور قوت سی پیدا ہوگئی اور میں نے صاف صاف امیر سے کہا کہ بے شک ان کا خون تم پر حرام تھا۔ اس زوردار فقرے کو سن کر امیر طیش کے مارے تھرّا گیا جوش خون سے آنکھیں سرخ ہوگئیں اور رگیں ابھر آئیں۔ اسی غضب کی حالت میں کہنے لگا کہ ویحک اللّٰہ (خدا تم پر رحم کرے) تم نے کس طرح کہا؟

امام: اسطرح کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی مرد مسلمان کا قتل روا نہیں جب تک ان تین حالتوں میں سے ایک حالت پیش نہ آئے یا تو وہ اس حال میں زنا کرے کہ اس کی شادی ہو چکی ہو یا قاتل ہو یا مُرتد ہو جائے۔

امیر: کیوں ! کیا ہماری حکومت دینی نہیں (گویا اس کا یہ مطلب تھا کہ چونکہ ہماری خلافت از روئے دین ثابت ہے لہٰذا اس کا مخالف تارک دین ہوا)

امام: تمہاری حکومت دینی کیونکر ہو سکتی ہے۔

امیر: کیا آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے لئے وصیت نہیں فرمائی۔

امام: اگر حضرت علیؓ کیلئے وصیت ثابت ہوتی تو دونوں حَکم حُکم نہ دیتے۔ امیر کے پاس اس کا جواب کچھ نہ تھا اس لئے خاموش تو ہو گیا مگر شدت اشتعال کے سبب سے سراپا غضب معلوم ہوتا تھا۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ امیر کی خاموشی نے مجھ کو یقین دلا دیا کہ کوئی دم میں میرا سر قدموں پر آتا ہے۔ تھوڑے عرصے کے بعد خلاف توقع امیر نے ہاتھ کے اشارے سے حکم دیا کہ امام دربار سے باہر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ یہ

وہاں سے تشریف لے آئے ۔دارالامارۃ سے کچھ دور نکلے تھے کہ ایک سوار ان کی طرف تیز آتا ہوانظر پڑا۔سوار کو دیکھ کر جان کا خوف امام اوزاعی ؒ کو اول سے بھی زیادہ ہوااور وقت آخیر سمجھ کرنماز شروع کردی جب سلام پھیرا تو سوار نے سلام کیا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی منجانب امیر پیش کی۔انہوں نے وہ اشرفیاں قبول کرلیں اور گھر پہنچنے سے پہلے مستحقوں کو تقسیم کردیں۔(تذج اص ۱۶۲)

سفیان ثوری کا شاہانہ اسراف پر طعن:

اسلام نے بیت المال کی بنیاد جن اصولوں پر ڈالی تھی وہ خلافت راشدہ کے بعد بالکل بدل گئے اور مسلمانوں کا قومی مال محض خلفا وسلاطین کا جیب خرچ خیال کیا جاتا تھا۔جوعلمائے اسلام بیت المال کے اصلی اغراض سے واقف تھے ان کے دل اس اسراف کو دیکھ دیکھ کر کڑہتے تھے اور جب ان کو موقع ہاتھ آتا،ان کی زبان خلفا کو برملا متنبہ کرنے سے باز نہیں رہتی تھی۔

حضرت سفیان ثوری ایک دفعہ خلیفہ مہدی کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے اپنے ایک سفر حج میں صرف بارہ اشرفیاں صرف کی تھیں ۔تمہارا اسراف جس حد کو پہنچا ہے وہ ظاہر ہے ۔خلیفہ نے خشمناک ہوکر کہا کہ تم اپنی سی ذلیل حالت میری بھی کیا چاہتے ہو۔حضرت سفیان نے جواب دیا کہ مجھ جیسے مت بنو مگر جس حال میں ہو اس میں تو کمی کردو۔

(تذج اص ۱۸۵)

امام مالک کا ہارون الرشید کو جواب:

ایک دفعہ ہارون الرشید اور شاہزادے امام مالکؒ کے یہاں گئے۔ خلیفہ نے امام صاحب سے حدیث سنانے کی فرمائش کی۔ امام ممدوح نے فرمایا کہ میں نے عرصے سے طریقہ قرأت چھوڑ دیا ہے اب اور لوگ حدیث مجھ کو سناتے ہیں اور میں سنتا ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ بہتر ہے کہ میں ہی سناؤں گا مگر اول عام آدمیوں کو اپنی مجلس سے باہر کر دیجیے۔ امام مالکؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر خواص کی خاطر سے عوام محروم کیے جائیں گے تو خواص کو بھی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ یہ فرما کر اپنے ایک شاگرد ابن عیسٰی کو حکم دیا کہ سبق شروع کریں۔ چنانچہ ابن عیسٰی نے فوراً سبق شروع کر دیا اور خلیفہ کو خاموش رہنا پڑا۔ (تذ ج ا ص ۱۹۱)

خلیفہ مذکور نے ایک بار ابن ادریس کو بلا کر عہدہ قضا قبول کرنے کے واسطے کہا انہوں نے انکار کیا تو رشید نے بگڑ کر کہا کہ کاش میں تیری صورت نہ دیکھتا۔ ابن ادریس نے متانت سے جواب دیا کہ کاش میں تیری صورت نہ دیکھتا اور یہ کہہ کر دربار سے چلے آئے۔ (تذ ج ا ص ۲۵۸)

امام خلیل بصری کی حق گوئی:

امیر سلیمان ابن علی نے اہواز سے ایک قاصد امام ادب خلیل بصری کے پاس بھیجا اور ان کو امیر زادے کی تعلیم کے لئے طلب کیا۔ ایلچی کی خبر پا کر وہ ادیب بے مثل باہر آیا۔ خشک روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں تھا۔ وہ ٹکڑا قاصد کو دیا اور کہا کہ لو میرے پاس تو یہی ماحضر ہے اور جب تک یہ موجود ہے خلیل کو سلیمان کی پرواہ نہیں۔

اس کے بعد یہ اشعار لطیف فی البدیہ تصنیف کر کے اس کے حوالے کیے

ابلغ سلیمان انی عنه فی سعة وفی غنی غیر انی لست ذا مال

سخی بنفسی انی لا اری احدًا یموت هذلاً ولا یبقی علی حال

والفقر فی النفس لا فی المال ترفه ومثل ذاک الغنی فی النفس لا فی المال

فالرزق عن قدر لا العجز ینقصه ولا یزیدک فیه حول محتال

(نزہۃ ص ۵۷)

امام نسائی کا خارجیوں کو جواب:

شہر دمشق ایک صدی تک دولت بنی امیہ کا دارالخلافہ رہا تھا اس لئے خارجیت کا وہاں بڑا زور تھا۔ امام نسائیؒ (جن کی سنن صحاح ستہ میں شامل ہے) جب وہاں تشریف لے گئے تو ایک روز مسجد میں ایک شامی نے ان سے پوچھا کہ حضرت معاویہؓ کے فضائل کیا کیا ہیں۔ امام ممدوح نے فرمایا کہ تو اس کو کافی نہیں سمجھتا کہ وہ اپنی جان بچا لے جائیں جو تو ان کے مناقب پوچھنے چلا ہے۔ اس فقرے کو سن کر دمشقی بھڑک اٹھے اور اس قدر ضربیں امام نسائیؒ کے ایک نازک مقام پر ماریں کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ حالت بے ہوشی میں ان کے رفقا ان کو مسجد سے باہر لائے اور اس دردناک صدمے سے اس امام حدیث نے وفات پائی۔ (تذکرہ ص ۲۶۹)

بادشاہ کی سرزنش:

امام سلفی کے درس میں ایک دن بادشاہ مصر مع اپنے بھائی کے آ کر شریک ہوا اور وہاں بیٹھ کر بھائی سے باتیں کرنے لگا یہ سوءِ ادب دیکھ کر امام موصوف نے بادشاہ کو

سرزنش کی اور فرمایا ہم حدیث نبوی اس لئے نہیں پڑھ رہے ہیں کہ تم یہاں بیٹھ کر باتیں کرو۔ (تذ ج ۴ ص ۹۶)

ایک ہزار اشرفی واپس کر دی:

ابو غالب لغوی نے جب اپنی کتاب فن لغت میں تصنیف کی تو امیر مجاہد مرسیہ کے با اقتدار فرماں روا نے اپنے ایک معتمد کے ہاتھ ایک ہزار اشرفیاں ان کے پاس بھیجیں اور یہ فرمائش کی کہ کتاب مذکور کے دیباچے میں یہ الفاظ درج کریں **مما الفه ابو غالب لابی الحبیش مجاهد** یعنی اس کتاب کو ابو غالب نے امیر مجاہد کیلئے تصنیف کیا ہے۔ ابو غالب نے عطیہ شاہی واپس کر دیا اور کہلا بھیجا کہ اگر ساری دنیا مجھ کو دی جائے تو بھی میں جھوٹ بولنا روا نہیں سمجھوں گا۔ میں نے یہ کتاب خاص کر امیر کے واسطے تالیف نہیں کی بلکہ عام نفع کے خیال سے لکھی ہے۔ (ابن ج ۲ ص ۹۷)

ابن السکیت کا حسینؓ سے محبت کا اظہار:

ابن السکیت مصنف اصلاح المنطق خلیفہ بغداد متوکل کی خدمت میں حاضر تھے کہ خلافت کے لخت جگر معتز اور مؤید نمودار ہوئے۔ متوکل نے ان سے پوچھا کہ یعقوب تم کو کون زیادہ محبوب ہے۔ میرے یہ دونوں بیٹے یا حسنینؓ۔ ابن السکیت نے جواب دیا کہ واللہ حضرت علیؓ کا خادم قنبر تم سے اور تمہارے دونوں بیٹوں سے کہیں بہتر ہے۔ کیا اس تصریح کی ضرورت ہے کہ خلیفہ کے دل میں ان الفاظ نے کیا تاثیر کی۔ جس زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے وہ خلیفہ کے حکم سے باہر نکال لی گئی اور زبان کے ساتھ روح نے بھی جسم سے مفارقت کی۔ (عیون ج ۲ ص ۳۰۹، ۳۱۱)

اسمع یا اخی سے خطاب:

قاضی ابن رشد مشہور فلسفی جب امیر منصور خلیفہ اندلس کے حضور میں کوئی علمی مسئلہ بیان کرتے تھے تو نشہ کمال ان کے دل سے خلیفہ کی عظمت مٹا دیتا اور ان معمولی الفاظ سے خطاب کرتے۔ اسمع یا اخی یعنی سن اے بھائی۔ (عیون ج ۲ ص ۷۷)

خلفاء کے دربار چھوڑ کر اب ہم بارگاہ سلطانی میں آتے ہیں اور چند واقعات علمائے روم کی حق بیانی کے گذارش کرتے ہیں۔

سلطان کی شہادت قبول نہیں کی:

مولانا شمس الدین رومی کی عدالت میں ایک معاملے میں سلطان بایزید نے شہادت دی تو شہادت سلطانی کو انہوں نے قبول نہیں کیا جب سلطان نے وجہ پوچھی تو مولانا نے جواب دیا کہ سلطان نماز میں جماعت کے پابند نہیں اور تارک جماعت کی شہادت مردود۔ (شق ج ا ص ۲۸)

قاضی صاحب کا سلطان فرمان پھاڑنا:

سلطان محمد خان نے ایک بار اپنا موسوم (مراسلہ) قاضی بروسہ مولانا شمس الدین کورانی کے پاس بھیجا۔ اس میں کوئی بات خلاف شرع درج تھی۔ مولانا اس کو دیکھ کر اس قدر برافروختہ ہوئے کہ سلطانی فرمان پھاڑ کر لانے والے کو باہر نکال دیا۔ سلطان کو ان کو یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور غضب سلطانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ مولانا کو عہدہ قضا کے ساتھ سلطنت روم بھی چھوڑنی پڑی۔ (شق ج ا ص ۹۱)

آداب شاہی بجانہ لانا:

مولانا ابن خطیب ایک روز عید کی مبارکباد دینے ایوان سلطانی کو گئے۔ان دنوں وہ خزانہ سلطنت کے وظیفہ خوار بھی تھے اور سو درہم یومیہ ان کو ملتے تھے جب دربار کو چلے تو چند طلبہ ہمرکاب تھے۔حضور سلطانی میں پہنچے تو سلطان نے ازراہ حسن اخلاق سات قدم بڑھ کر استقبال کیا۔مولانا نے بجائے جھک کر آداب بجالانے کے سلام کیا اور بجائے دست بوسی کے مصافحہ کیا ان کے ایک شاگرد کو استاد کا یہ خلافِ آداب برتاؤ ناگوار گزرا اور واپسی میں اس نے کہا کہ آخر سلطان فرماں روائے وقت ہے۔کچھ تو آپ کو جھکنا تھا۔ابن خطیب نے فرمایا کہ آیا یہ فخر سلطان کے لئے کم ہے کہ ابن خطیب سا فاضل ان کے پاس گیا اور میں خوب جانتا ہوں کہ سلطان اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں۔(شق ج ا ص ۱۶۲)

رب العزت کا ادب زیادہ ہے:

مولانا یوسف قاضی قسطنطنیہ ایک دن مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے تو دروازے پر صدر اعظم کے چوبدار کو حاضر پایا جو ان کے بلانے کو آیا تھا۔اس وقت مولانا کے سر پر چھوٹا سا عمامہ تھا اور چھوٹا عمامہ باندھ کر بارگاہ وزارت میں جانا خلاف ادب تھا۔مگر خدا پرست مولانا کے دل نے گوارا نہ کیا کہ رب العزت سے زیادہ ادب اس کے ایک بندے کا کریں اور اسی عمامے کو باندھے صدر اعظم کے حضور میں چلے گئے۔وہاں پہنچے تو اعتراض ہوا انہوں نے راستبازی سے اپنا خیال صاف صاف ظاہر کر دیا جس کو سن کر وزیر اعظم نے بہت پسند کیا اور حضور سلطانی میں اس کی نقل کی۔(شق ج ا ص ۲۳۴)

معاصرین اور ہم چشموں کے مقابلے میں:

عربی کا ایک مقولہ ہے المعاصرة سبب المنافرة یعنی ہم عصری باہم نفرت کا باعث ہوتی ہے۔ یہ عادت قریباً طبیعت ہو چکی ہے کہ جو ہم فن اہل کمال ایک ہی زمانے میں ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے کمال کا اعتراف کما حقہ نہیں کرتے الا ماشاء اللہ۔ جب ایک ہی عہد کے دو ہم فن اہل کمال کے دل ٹٹولے جائیں تو ان کی باہمی بے پروائی رقابت کے اثر سے کم وبیش پرخاش ومغائیرت کی حد تک ترقی کی ہوئی نظر آئے گی۔ شیخ سعدی کے زمانے میں ایک اور فارسی کا شاعر امامی ہروی تھا۔ اس زمانے کے لوگ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر رہے کہ دونوں میں کون زیادہ باکمال ہے چنانچہ ہمگر شیرازی ایک تیسرا شاعر اس بارے میں حکم قرار دیا گیا اور اس نے امامی کو سعدی سے افضل بتایا۔ یہ ایسا غلط فیصلہ تھا جس کے غلط ہونے میں گزشتہ چھ سو برس کے عرصے میں شاید کسی کو کلام ہوا ہو۔ مگر معاصرت کے اثر نے ہمگر کو اس غلطی کا ادراک نہیں ہونے دیا۔ ہم جن علماء کے حالات آپ کو سنا رہے ہیں ان کے جوش حق پرستی نے کبھی ان کو معاصرین کے فضل وکمال سے چشم پوشی نہیں کرنے دی۔ واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ وہ بزرگ جو ہر اور کمال کے پرکھنے والے تھے اور جن میں یہ جوہر ہوتا تھا ان کا معاصر۔ عمر میں چھوٹا طبقے میں نیچا یا مذہباً مخالف ہونا ان کی قدر شناسی کو کم نہیں کر سکتا تھا۔

امام اعظم کا امام مالک سے ادب کا معاملہ:

امام اعظم، امام مالک سے عمر میں تیرہ برس بڑے تھے اور طبقے میں عالی لیکن جب ان

سے ملے تو اس ادب سے ملے جیسے چھوٹے بڑوں سے ملتے ہیں شاعر مشہور ابو اسحٰق عقیدے کا صابئ (ستارہ پرست) تھا۔ مگر جب وہ مرا تو محض قدر دانی کمال کے لئے ہاشمی نسب شریف رضی نے اس کا مرثیہ لکھا اور لوگوں کے طعن کی کچھ پروا نہیں کی۔ معاصرین کے فضل و کمال کا اعتراف اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ علی الاعلان ان کو اپنے آپ سے زیادہ عالم و کامل بتائیں ان کا جلالت کے سامنے اپنی بے مائیگی کا اقرار کریں اور جب کوئی مشکل پیش آئے تو ان سے اس کے حل کر دینے کا سوال دیا۔ یا آنکہ وہ ان کی تصانیف پر اعتراض کریں تو ان کا شکریہ ادا کیا جائے اور ان کو دعائے خیر سے یاد۔

ابن عمرؓ کا امام شعبی کے علم کا اعتراف:

ایک موقع پر امام شعبی آنحضرت کے عہد مبارک کے جنگی معرکوں کا بیان کر رہے تھے۔ اتفاقاً حضرت ابن عمر کا گزر اسی راستے سے ہوا۔ امام ممدوح کا بیان سن کر فرمایا کہ جس قوم کا یہ ذکر کر رہے ہیں میں اس کے دیکھنے والوں میں ہوں۔ لیکن مغازی یہ مجھ سے زیادہ اور بہتر جانتے ہیں۔ (تذج اص ۷۱)

حضرت امام باقر نے ایک مرتبہ فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی شخص حج کے مسئلے عطا سے بہتر نہیں جانتا۔ (تذج اص ۸۶)

امام زین العابدین کا ایسی شاگرد کے درس میں بیٹھنا:

حضرت امام زین العابدین اپنے ایک شاگرد زید ابن اسلم کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو پاک نفس امام نے فرمایا کہ جس کی

صحبت میں دین کا نفع ہوتا ہے اس کے پاس انسان بیٹھتا ہی ہے۔ (تذج اص ۱۱۹)

زہری اور ربیعہ کی ایک دوسرے کی حق شناسی:

ایک دفعہ کا ذکر سنیے کہ مدینہ طیبہ میں امام زہری امام ربیعہ کا ہاتھ پکڑ ایک مکان میں لے گئے اور وہاں دونوں نے ایک دوسرے کے علم کو جانچا۔ جب عصر کے وقت وہ دونوں امام زمانہ باہر تشریف لائے تو زہری تو یہ کہتے نکلے کہ ربیعہ کا مثل مدینے میں نہیں اور ربیعہ یہ فرماتے آئے کہ زہری کے رتبے کو کوئی نہیں پہنچتا۔ (تذج اص ۹۸)

ابن اسحٰق اصفہانی جب بصرے گئے اور وہاں کے محدثین سے حدیث پڑھنی چاہی تو سب نے پوچھا کہ تمہارے شہر میں عباس ابن یزید نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے ہوتے ہوئے تم ہمارے پاس کیوں آئے۔

(تذج ۲ص ۸۶)

اس واقعے سے واضح ہوتا ہے کہ اس عہد مبارک میں افراد نہیں بلکہ گروہ کے گروہ حق کے گرویدہ تھے اور حسن تعلم نے سب کے مذاق یکساں پاک صاف کر دیئے تھے۔

عمرو بن دینار امام زہری کے معترف ہوئے:

امام عمرو ابن دینار امام زہری کے کمالات کا شہرہ سن کر فرمایا کرتے تھے کہ زہری کے پاس دھرا کیا ہے میں نے ابن عمرؓ کو دیکھا ہے انہوں نے نہیں دیکھا میں نے ابن عباس کو دیکھا ہے انہوں نے نہیں دیکھا۔ انداز کلام صاف کہہ رہا ہے کہ ابن دینار کو کمال کا غرّ ا زہری سے بیزار کر رہا تھا۔ حسن اتفاق کہ اسی عرصے میں امام زہری کا مکہ

مکرمہ میں گزر ہوا۔ جب انہوں نے ان کی آمد کی خبر سنی تو باوجود پاؤں سے معذور ہونے کے فوراً ملاقات کو تیار ہوئے اور خدام سے فرمایا کہ مجھ کو امام زہری کے یہاں لے چلو۔ ملازموں نے ارشاد کی تعمیل کی اور ان کو امام ممدوح کی خدمت میں لے آئے ۔ جب یہ ان سے ملے تو زیادہ گرویدہ ہوئے اور شب کو وہیں رہے۔ صبح کو واپس آئے تو شاگردوں نے سوال کیا کہ امام زہری کو کیسا پایا۔ ابن دینار کی اگلی رائے کو انصاف مغلوب کر چکا تھا فرمایا کہ وَاللّٰہِ ما رَأیتُ مثل هذا القرشی ابدًا یعنی میں اس قریشی کا مثل کبھی نہیں دیکھا۔ (ابن ج ا ص ۴۵۱)

محقق دوانی اپنے ہمعصر کو فضلیت دیتے ہوئے:

مولانا ابن موید رومی جب محقق دوانی کے پاس گئے۔ تو محقق نے ان سے سوال کیا کہ روم سے ہمارے لئے کیا ہدیہ لائے۔ مولانا نے یہ سن کر علامہ خواجہ زادے کی تازہ تصنیف کتاب تہافہ پیش کی محقق نے اس کو لے کر اوقات فرصت میں اس کا مطالعہ کیا۔ جب تمام وکمال دیکھ چکے تو مولانا ابن مؤید سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تم کو اور اس رسالے کے مصنف کو جزائے خیر دے میں بھی اس مبحث پر ایک کتاب لکھنے کے خیال میں تھا مگر اللہ نے شرم رکھ لی۔ اگر میں اس کتاب کے دیکھنے سے پہلے لکھ چکا ہوتا تو میری بڑی ہنسی ہوتی۔ (شق ج ا ص ۱۵۰)

معاصرین کو اپنے اوپر فضلیت دینے کی مثالیں:

جب تک حضرت سالم ابن عبداللہ زندہ رہے امام نافع نے فتویٰ نہیں دیا۔

(تذ ج ا ص ۸۸)

حضرت سعید ابن المسیب کے پاس جب کوئی حاجتمند فتویٰ پوچھنے آتا تو امام ممدوح فرماتے کہ سلیمان ابن یسار کے پاس جا کر پوچھو اسلئے کہ وہ آج سب سے زیادہ عالم ہیں۔ (ابن ج ا ص ۲۱۳)

حضرت قاسم (ابن محمد بن ابی بکرؓ) سے کسی نے پوچھا کہ آپ زیادہ عالم ہیں یا سالم (ابن عبداللہ ابن عمرؓ) تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مرتبہ سالم کو ہی حاصل ہے۔ (ابن ج ا ص ۴۱۸)

فرئی نحوی اپنے ہمعصر اخفش اوسط سے ملنے گئے تو اخفش نے کہا کہ اے لوگو! تمہارے پاس لغت اور عربیت کا سردار آیا فرّاء نے کہا کہ جب تک اخفش زندہ ہیں اس وقت تک نہیں۔ (ابن ج ا ص ۲۰۸)

حضرت عبداللہ ابن مسعود کو جب ضرورت پیش آتی تو وہ زرابن جیش سے عربیت کے متعلق باتیں دریافت فرمالیا کرتے۔ (تذ ج ا ص ۴۹)

قابوس نے جب اپنے والد سے یہ سوال کیا کہ آپ صحابہ کرام کی موجودگی میں علقمہ (تابعی) کے پاس کیوں جایا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس لئے جایا کرتا تھا کہ میں نے بعض صحابہ کو دیکھا تھا کہ وہ علقمہ کے پاس تشریف لے جا کر مسائل دریافت فرمایا کرتے تھے۔ (تذ ج ا ص ۴۲)

خواجہ حسن بصری کو جب کوئی مشکل پیش آجاتی تو بذریعہ تحریر حضرت سعید ابن المسیب سے دریافت فرمالیتے۔ (تذ ج ا ص ۴۷)

امام ابو احمد کو فن حدیث میں ایک بار اشکال پیش آیا تو انہوں نے اپنے معاصر ابن مندہ سے نیشا پور خط بھیج کر حل کرلیا۔ (تذ ج ۳ ص ۲۳۷)

حضرت ابن عمرؓ اکثر امام مجاہد (تابعی) کے گھوڑے کی رکاب تھام لیا کرتے تھے۔ (تذ ج ا ص ۸۰)

ایمہ اربعہ کا اپنے سے کم مرتبہ کو فضلیت دینا:

اشہب بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو امام مالکؒ کے حضور میں ایسا مؤدب بیٹھا دیکھا جیسے چھوٹے بڑوں کے سامنے بیٹھتے ہیں۔

(تذ ج ا ص ۱۸۹)

اماعظمؒ امام مالکؒ سے عمر میں تیرہ برس بڑے تھے اور طبقے میں بھی ان سے عالی ہیں۔ اسی واسطے امام ذہبیؒ واقعہ بالا کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ''اس سے امام ابو حنیفہؒ کے حسن ادب اور تواضع کی کیفیت معلوم ہوتی ہے''۔ اور یہ حق ہے کہ ان بزرگوں کی عظمت کے اصلی اسباب یہی صفات تھے۔ حسن ابن علی کہتے ہیں کہ جب وحیم بغداد میں آئے تو میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل۔ یحیٰی بن معین اور ابن سالم کو ان کے سامنے ایسا بیٹھا دیکھا جیسے بچے بیٹھے ہوں۔ (تذ ج ا ص ۶۴)

امام احمد بن حنبل کے پاس ایک بار امام ذہلی آئے تو امام احمد بن حنبل ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ دونوں اماموں کے رتبے میں اس قدر فرق تھا کہ لوگوں کو اس تعظیم سے حیرت ہوئی امام ممدوح نے صرف تعظیم پر کفایت نہیں کی بلکہ اپنے صاحبزادوں اور تلامذہ کو حکم دیا کہ ان سے جا کر حدیث حاصل کریں۔

(تذ ج ۲ ص ۱۱۲)

سفیان ابن عیینہ سے کسی نے کہا کہ شہر میں حسین ابن جعفی آئے ہیں ابن

عینیہ یہ سن کر بے اختیار کھڑے ہو گئے اور فوراً ابن جعفی سے جا کر ملے ان کے ہاتھ چومے اور فرمایا کہ آج یہاں ایسا شخص وارد ہوا ہے جس کی فضیلت سب سے بڑھی ہوئی ہے۔(تذج ۱ص۳۲)

سننے کے قابل یہ بات ہے کہ ابن عینیہ، ابن جعفی سے بیس برس تو عمر میں بڑے تھے اور طبقۂ عالی۔امام محمد اور امام شافعیؒ میں جس قدر جزئیات میں اختلاف ہے ظاہر ہے باایں‌ہمہ امام محمد جتنی امام شافعیؒ کی تکریم کرتے تھے اتنی کسی عالم کی نہیں کرتے تھے۔(ابن ج ۱ص ۴۴۷)

امام بوشجی کسی جنازے کی نماز پڑھانے تشریف لے گئے تھے جب واپس ہونے لگے تو امام ابوعمرو نے ان کے گھوڑے کی باگ تھامی۔امام ابن خزیمہ نے رکاب اور امام جارودی نے چار جامہ درست کیا۔(تذج ۲ص ۲۳۰)

شیخ ابواسحٰق شیرازی اپنے معاصر امام الحرمین سے ایک موقع پر یوں خطاب کرر ہے تھے:

یامفید اهل المشرق والمغرب انت الیوم امام الائمة یعنی اے مشرق ومغرب کے لوگوں کو فائدہ پہنچانے والے آج تم سارے اماموں کے امام ہو۔(ابن ج ۱ص ۲۸۷)

مخالفین کو فضیلت دینے کی مثالیں:

حق پسندی کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ حاکم نیشاپوری محدث مشہور نے فن حدیث میں ایک کتاب المدخل فی الصحیح لکھی تھی۔امام عبدالغنی مصری نے اس کا ردلکھا۔حاکم

نے جب یہ رد دیکھا تو امام مصر کی خدمت میں شکریہ کا خط بھیجا اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ (تذ ج ۳ ص ۲۵۰)

ذیل کی متفرق حکایتیں بھی ہمارے مدعا کو کسی نہ کسی پہلو سے ثابت کرتی ہیں ابو اسحٰق شاعر مشہور نے جب وفات پائی تو شریف رضی نے اس کا مرثیہ لکھا۔ لوگ یہ سن کر بگڑے اور کہا کہ افسوس ہے کہ خاندان نبوت سے ہو کر انہوں نے ایک صابی کا مرثیہ لکھنا روا سمجھا۔ شریف ممدوح نے یہ اعتراض سنا تو فرمایا اور کیا خوب فرمایا۔ انما رثیت فضله (میں نے تو اس کے کمال کا مرثیہ لکھا)۔ (ابن ج ا ص ۱۳)

انما یعرف ذَاالفضلِ مِّن الناس ذَوُوْهُ

سہل ابن عبداللہ نے امام ابوداؤد کی زبان چوم لی:

حضرت سہل ابن عبداللہ تستریؒ امام ابوداؤد کے پاس (جن کی سنن داخل صحاح ستہ ہے) تشریف لے گئے۔ امام نے ان کو اہلاً وسہلاً کہہ کر لیا اور تعظیم سے بٹھایا۔ جب حضرت ممدوح بیٹھ لئے تو امام موصوف سے فرمایا کہ میں ایک کام کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔ ابوداؤد نے ارشاد کیا کہ فرمایئے۔ حضرت سہل نے کہا کہ جب تک یہ وعدہ نہ ہو جائے کہ حتی الامکان میری درخواست مقبول ہوگی میں نہ کہوں گا۔ امام حدیث نے جب یہ منظور فرمالیا تو انہوں نے کہا اپنی زبان جس سے احادیث نبویہ آپ نے روایت کی ہیں نکالیے تا کہ میں اس کو چوم لوں چنانچہ انہوں نے اپنی زبان نکالی اور انہوں نے چوم لی۔

ثعلب نے مبرد کا مرثیہ پڑھا:

مبرد اور ثعلب ادب کے دو مشہور اماموں میں بوجہ معاصرت چشمک تھی۔ جب مبرد کے انتقال کی خبر سنی تو ثعلب نے بہت تاسف کیا اور ایک دردناک مرثیہ لکھا جس کے بعض اشعار یہ ہیں:

ذَهَبَ المبرد وانقضت اَيامُهُ　　　وَلْيذهَبَنَّ مَعَ المبرد ثعلب!

بيتٌ مِنِ الأداب اضحٰى نِصفه　　　خربا وباقى النصف منه سيخرب

فتزودوا من ثعلب فبكأس ماَ　　　شرب المبرد عن قريب يشرب

ترجمہ: مبرد گیا اور اس کی زندگی کے دن گزر گئے۔ مبرد کی رفاقت میں ثعلب بھی ضرور جائے گا آداب کا گھر آدھا تو ویران ہو گیا جو آدھا باقی ہے وہ بھی خراب ہوا چاہتا ہے۔ ثعلب کا دم غنیمت سمجھو کو جو تلخ گھونٹ مبرد نے پیا ہے وہی ثعلب بھی عنقریب پینے والا ہے۔

خطیب بغدادی کیلئے قبر کی جگہ ابن زہری نے دی:

اس زمانے کی حق پسندی کی ایک مثال خطیب بغدادی کے فن سے متعلق ہے خطیب کا وقت وفات جب قریب ہوا تو انہوں نے وصیت کی کہ میری قبر بشر حافی کے مزار کے قرب میں بنائی جائے۔ بعد وفات محدثین نے ہر چند تلاش کی مگر کوئی جگہ اس بابرکت قبر کے قریب نہ ملی۔ صرف ایک لحد تھی جو ایک صوفی ابن زہراء نے حالت حیات میں اپنے واسطے تیار کرائی تھی۔ ہر ہفتہ ایک بار وہ اس میں جا کر لیٹتے اور قرآن مجید ختم کرتے جس کنج مزار کو اس محنت سے انہوں نے پاک بنانا چاہا تھا خطیب کے

وصیوں نے آخر اسی کو تاکا۔ اور ان سے اس کے دینے کی استدعا کی۔ ظاہر ہے کہ یہ کب قبول کرتے۔ وہ بزرگ گروہ ان سے مایوس ہو کر ان کے والد کے پاس گیا اور حال بیان کیا۔ باپ نے بیٹے کو بلا بھیجا۔ جب یہ آئے تو ان سے کہا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ قبر تم دیدو مگر ایک بات پوچھتا ہوں۔ فرض کرو کہ تم کسی موقع پر بشر حافی کے پاس بیٹھے ہوتے اور خطیب وہاں آتے تو تم کیا پسند کرتے کہ خطیب تم سے پائیں میں بیٹھ جائیں۔ ابن زہرا نے کہا نہیں میں اپنی جگہ ان کے واسطے خالی کر دیتا۔ نکتہ شناس باپ نے کہا کہ بس یہی معاملہ بعد رحلت ہونا چاہئے۔ صاف دل صوفی کے دل میں یہ بات اثر کر گئی۔ اور انہوں نے وہ قبر بطیب خاطر دے دی۔ (ابن ج ا ص ۱۳)

دس ہزار اشرفی واپس کرنا:

عفان ابن مسلم محدث انصاری کو ایک دفعہ دس ہزار اشرفیاں اس غرض سے دی گئیں کہ فلاں شخص کی نسبت وہ قاضی کی عدالت میں جرح وتعدیل نہ کریں مگر انہوں نے فرمایا کہ میں کسی کے حق کو باطل نہیں کر سکتا اور یہ کہہ کر اشرفیاں واپس کر دیں۔ (ایک اشرفی اگر دس روپے کی رکھی جائے تو ایک لاکھ روپے ہوتے ہیں)

(تذج ا ص ۳۴۸)

اپنے نفس کے مقابلے میں:

یہ بیان عنوان حق پسندی کا اگر چہ آخری حصہ ہے لیکن اہمیت اور دشواری میں پچھلے دونوں بیانوں سے بڑھا ہوا ہے۔ برہنہ شمشیر کے مقابلے میں حق کو نہ چھوڑنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا یہ مشکل ہے کہ انسان اپنے نفس کی برائیاں از راہ انصاف قبول

کر لے یا آنکہ ایک شہرۂ آفاق باکمال اپنے ایک معاصر کے فضل وعلم سے اپنے علم وفضل کو کم مان لے۔ اولاد اور جان دنیا میں بہت عزیز چیزیں ہیں مگر جو اولاد نافرمان ہو جاتی ہے وہ دشمن سے زیادہ بری معلوم ہونے لگتی ہے اور زندگی جب دل کو ستانے لگتی ہے یا کوئی حالت ایسی پیش آجاتی ہے جس کا نفس متحمل نہیں ہوسکتا تو انسان بیدھڑک اپنی حیات کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ تاریخ میں ایک ایسے جوانمرد بادشاہ کا ذکر ہے جس نے آٹھ ہزار فوج سے اسی ہزار جرار فوج کے منہ پھیر دیئے تھے۔ اور اس وقت اس کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی لیکن یہ اولوالعزم فرماں روا اپنے نفس کے مقابلے میں ہمیشہ مغلوب رہا۔ یکے بعد دیگرے فحش غلطیاں اس نے کیں اس کے مشیر سر دھنتے رہے مگر کبھی اس سے یہ نہ ہوسکا کہ اپنی غلطیوں کو غلطی مان کر راہ صواب اختیار کر لیتا۔ آفرین ہے ان علمائے سلف پر جنہوں نے اپنے نفس کی خود پسندی کو قابو میں رکھا اور کبھی حق پر غالب نہیں ہونے دیا۔ فقہ کی کتابیں اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں کہ امت کے پیشوا اماموں نے کئی مسئلوں میں اپنی ایک رائے ظاہر کی اور عقیدت کی مدد سے وہ مشرق ومغرب میں پھیل گئی اور ایک عالم میں اس پر عمل ہونے لگا۔ پھر جب ان کو اپنے رائے کی غلطی کی حس ہوئی تو انہوں نے علی الاعلان اپنی پہلی رائے کو چھوڑ دیا۔ اس کی نظیریں ابھی عرض کی جائینگی کہ بڑے بڑے جلیل القدر اماموں نے اپنے شاگردوں کی شاگردی کی ہے۔ ایسے بھی پاک نفس بندے تھے جو کسی فن یا علم میں مشہور روزگار ہوتے تھے اور جب ان کے سامنے اسی علم کا کوئی ایسا سوال پیش کیا جاتا جس کا جواب انہیں معلوم نہ ہوتا تو وہ بدوں کسی پس وپیش کے سائل سے فرما دیتے تھے لَا اَدْرِیْ یعنی میں نہیں جانتا۔

امام شافعیؒ کا اپنے کم علمی کا اعتراف:

امام شافعیؒ جن کی رائے پر لاکھوں نہیں کروڑوں آدمیوں نے اپنے دین اور دنیا کو چھوڑ دیا ہے اپنی عقل اور رائے کی نسبت یہ فرماتے ہیں۔

کلما ادبنی الدھر ارانی نقص عقلی

واذا ما ازددت علمًا زادنی علمی بجھلی

یہ باتیں کہنے کو تھوڑی اور چھوٹی ہیں۔ مگر کرنے کو بڑی ہیں اور بہت بڑی۔

ابن عمرؓ کا لاادری کہنا:

سلیمان ابن یسار فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ اکثر سوالوں کے جواب میں لاآدری فرمادیتے تھے۔ مگر حضرت ابن عباسؓ کسی سائل کو مایوس نہیں کرتے تھے بلکہ انکو تعجب آتا تھا کہ عبداللہ ابن عمر کیوں لاآدری کہہ کر لوگوں کو ناکام واپس کردیتے ہیں اور فرماتے تھے کہ جو مسئلہ مشتبہ پیش آئے اس میں اول تو سنت کو تلاش کرنا چاہیے اور اس کے مطابق حکم دینا اور اگر صریح سنت نہ ہو تو اپنے اجتہاد سے مدد لیں۔ اتفاق زمانہ کہ ایک روز کوئی مسئلہ ان کے سامنے ایسا پیش ہوا جس کے جواب میں حضرت ممدوح متحیر رہ گئے۔ اس وقت ان کو اپنا وہ مقولہ یاد آیا جو حضرت ابن عمرؓ کے مقابلے میں فرمایا کرتے تھے اور از راہ انصاف، ارشاد کیا کہ البلاء موکل بالقول (بولنا بلا میں ڈالتا ہے)۔

حدیث کے عالی مرتبہ امام شعبی بھی اکثر سوال کے وقت لاآدری کہہ دیتے تھے ان کا قول ہے کہ ہم فقیہ نہیں ہیں۔ ہم نے تو بس یہ کیا ہے کہ جو حدیث سنی

اس کو روایت کر دیا۔ فقہا وہ ہیں جو علم پر عمل بھی کرتے ہیں۔ (تذ ج ا ص ۳۳)

مشہور تابعی عطاءؒ کا ابن ابی لیلیٰ سے استفادہ:

جلیل القدر تابعی حضرت عطا کے پاس ایک روز ابن ابی لیلیٰ گئے تو حضرت عطا نے ان سے بعض مسئلے از راہ استفادہ دریافت کئے۔ جو لوگ ان کی شانِ امامت سے واقف تھے ان کو تعجب ہوا کہ ابن ابی لیلیٰ سے عطا استفادہ کریں۔ حضرت عطا نے سنا تو فرمایا کہ حیرت کیا ہے۔ ابن ابی لیلیٰ مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ (تذ ج ا ص ۱۵۴)

شاگردوں کی علمیت کا اعتراف:

ان بزرگوں کی پاک نفسی اس سے معلوم ہوتی ہے کہ اپنے شاگردوں کے مقابلے میں اپنے علم و کمال کو کمتر سمجھتے تھے۔ ابن عینیہ نے اپنے شاگرد علی ابن مدینی کی نسبت ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگو تم مجھ کو ابن مدینی کے ارتباط پر ملامت کرتے ہو۔ واللہ وہ جتنا مجھ سے علم حاصل کرتے ہیں اس سے زیادہ میں ان سے سیکھ لیتا ہوں۔

(تذ ج ۲ ص ۱۶)

یحییٰ ابن معین اپنے شاگرد امام ابن حنبلؒ کی نسبت فرماتے ہیں کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں مثل احمد ابن حنبل کے ہو جاؤں۔ قسم ہے اپنے رب کی میں ان کے مرتبے کو نہیں پا سکتا۔ (تذ ج ۲ ص ۱۹)

حماد ابن زید کا اپنے معاصر شعبہ کے بارے میں یہ قول تھا کہ جب حدیث میں میری اور شعبہ کی راہ میں مخالفت آپڑتی ہے تو میں اپنی رائے چھوڑ کر شعبہ کا قول اختیار کر لیتا ہوں اس لیے کہ شعبہ شیخ سے ایک حدیث بیس دفعہ سن کر بھی سیر نہیں

ہوتے تھے اور میں ایک بار کے سن لینے پر قانع ہوں۔ (تذ ج ا ص ۱۷۵)

امام شعبہ فرماتے تھے کہ سفیان احفظ منی یعنی سفیان کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ ان کے عہد میں اس فن پاک کا کمال حفظ پر موقوف تھا لہٰذا امام شعبہ کا حضرت سفیان کو اپنے آپ سے زیادہ حافظ حدیث بتانا گویا یہ کہنا ہے کہ وہ زیادہ عالم ہیں۔ (تذ ج ا ص ۱۸۴)

امام اوزاعی شام کے مقتدا ایک روز امام فزاری کو خط لکھوانے لگے تو کاتب سے فرمایا کہ اول ان کا نام لکھنا اس لئے کہ واللہ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ (تذ ج ا ص ۲۴۹)

عطاء کے بارے میں حسن بصریؒ کا قول:

خواجہ حسن بصریؒ نے کسی موقع پر بیان فرمایا تھا کہ منافق کو تین علامتوں سے پہچان لیا کرو۔ جب وہ بات کہے تو جھوٹ بولے۔ کسی کی امانت رکھے تو خیانت کرے۔ وعدہ کرے تو خلاف وعدگی کرے۔ حضرت عطا نے ان کا یہ قول سنا تو اعتراض کیا کہ حضرت یعقوب کے فرزندوں میں یہ تینوں صفتیں تھیں۔ انہوں نے جھوٹ بولا۔ امانت میں خیانت کی اور وعدہ خلافی بھی کی۔ بایں ہمہ خدا تعالیٰ نے ان کو نبوت کا درجہ بخشا لگانے والے تو برے ہوتے ہیں کسی نے حضرت عطا کا یہ اعتراض خواجہ صاحب کے کان میں ڈال دیا۔ پاک نفس خواجہ نے یہ سنکر از راہ انصاف فرمایا کہ

وفوق کلِّ ذی علم علیم۔

حجام نے امام اعظم کی غلطیاں پکڑی:

لوگوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہمارے امام ابوحنیفہ کی (جن کو دربارِ فضل سے امام اعظم

کا خطاب ملا ہے) ایک ادنیٰ پیشہ ور حجام نے پانچ غلطیاں پکڑی تھیں ۔ امام اعظم نے اس حجام کی یہ قدر کی کہ اس واقعے کو خود سنا کر قیامت تک اس کا نام کر دیا ۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایام حج میں میں نے ایک حجام سے حجامت بنوانے کا قصد کیا ۔ جب میں اس سے اجرت ٹھہرانے لگا تو اس نے کہا کہ مناسک (وہ اعمال جو حج سے تعلق رکھتے ہیں) کی اجرت نہیں ٹھہرائی جاتی ۔ اس نے جب حجامت بنانی شروع کی تو میرا منہ قبلے کی جانب نہ تھا ۔ اس پر حجام نے کہا کہ قبلہ رخ ہو بیٹھو ۔ میں نے بائیں طرف سے حجامت بنوانے کا ارادہ کیا تو وہ بولا کہ حجامت سیدھی جانب سے اول بنوائی جاتی ہے ۔ وہ اپنے کام میں مشغول تھا اور میں خاموش اس پر اس نے ہدایت کی تکبیر پڑھتے جاؤ ۔ حجامت سے فارغ ہو کر میں اٹھ کر چلا ۔ تو میرے مہربان نے پوچھا کہ کہاں چلے میں نے کہا کہ اپنی فرودگاہ جاتا ہوں یہ سن کر اس نے کہا کہ اول دو رکعتیں پڑھ لو پھر قیام گاہ کا قصد کرنا ۔ اب تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے پوچھا کہ یہ باتیں تم کو کس نے بتلائی ہیں ۔ حجام نے جواب دیا کہ میں نے حضرت عطا کا طریق عمل ایسا ہی دیکھا تھا ۔ (ابن ج ا ص ۳۱۹)

اساتذہ کا اپنے شاگردوں سے علم حاصل کرنا:

ائمہ حدیث کے حالات میں اس کی مثالیں کثرت سے ہیں کہ جب ان کے شاگرد شیخ بنے تو انہوں نے ان سے حدیثیں حاصل کیں ۔ بلکہ محدثین کا یہ قول ہے کہ انسان اس وقت تک محدث نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اعلیٰ ہمسر اور کمتر تینوں طبقوں سے روایت نہ کرے ۔ (مقدمہ ص ۵۶۵)

بطور نمونہ ہم چند مثالیں ذیل کے نقشے میں لکھتے ہیں:

شمار	نام امام	نام شاگرد جس سے حدیث روایت کی
۱	علقمہ	مقاتل (تذج ا ص ۱۵۷)
۲	اعمش	سفیان ابن عیینہ (تذج ا ص ۲۳۹)
۳	ابن جریج	,, ,, ,,
۴	شعبہ	,, ,, ,,
۵	ابوحنیفہ	ابراہیم بن طہمان (تذج ا ص ۱۹۲)
۶	لیث	عبداللہ بن وہب (تذج ا ص ۲۷۸)
۷	بخاری	عبداللہ ابن حماد (مقدمہ ص ۵۶۵)
۸	خطیب بغدادی	بن ماکولا (تذج ا ص ۲)

احمد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے اسحٰق ابن راہویہ کو یہ کہتے سنا کہ خدا تعالیٰ حق کو پسند فرماتا ہے لہٰذا میں کہتا ہوں کہ ابوعبید (بغدادی) مجھ سے علم میں بڑھ کر اور فقہ میں زیادہ ہیں ہم ابوعبید کے محتاج ہیں مگر ان کو ہماری احتیاج نہیں۔ (تذج ۲ ص ۲)

جب سلیمان حافظ حدیث بغداد میں وارد ہوئے اور امام احمد بن حنبلؒ نے ان کی آمد کی خبر سنی تو حاضرین سے فرمایا کہ چلو سلیمان سے راویان حدیث کا پرکھنا سیکھیں۔ (تذج ۲ ص ۷۶)

امام ممدوح اور سلیمان کی جلالت شان میں جو فرق بین تھا وہ محتاج بیان نہیں

جرح وتعدیل کے بارے میں یحیی ابن معین کا قول:

ایک عالم محمد کہتے ہیں کہ میں نے یحیٰی ابن معین کا یہ مقولہ سنا تھا کہ ہم راویان حدیث پر جرح کررہے ہیں حال آنکہ ممکن ہے کہ وہی لوگ دوسو برس سے بہشت میں آسودہ ہوں۔ایک روز میں جوابن ابی حاتم کی خدمت میں گیا تو وہ فن رجال کا درس دے رہے تھے۔میں نے امام ممدوح کا قول مذکوران کوسنایا۔ان پراس مقولے کا یہ اثر ہوا کہ رونے لگے ہاتھوں میں رعشہ آگیااور کتاب ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔زارزار روتے تھےاور بار بار مجھ سے اس روایت کوکہلواتے تھے۔(تذج ۳ص ۵۰)

امام دارقطنی کا غلطی کا اعتراف:

ایام طالب علمی میں ایک روز امام دارقطنی ابن انباری کی مجلس درس میں شریک ہوئے۔دوران املاابن انباری نے ایک نام میں غلطی کی۔دارقطنی کواتنی جسارت تونہ ہوئی کہ ابن انباری کومتنبہ کرتے مگران کے مستملی کووہ غلطی جتادی۔جب دوسرے جمعے کودار قطنی پھرمجلس مذکور میں گئے توابن انباری نے باعلان فرمایا کہ ہم نے اس روز فلاں نام میں غلطی کی تھی اس نوجوان نے ہم کواس غلطی پرآگاہ کردیا۔(تذج ۲ص ۲۱)

جوش حق پسندی اس کو کہتے ہیں اگرابن انباری اس راز کوفاش نہ کرتے تو شاید دنیا کواس کی خبر بھی نہ ہوتی۔مگرانہوں نے یہ خیال فرمایا کہ اپنی ایک خطا ظاہر ہوجائے تو مضائقہ نہیں۔لیکن جونوجوان طالب علم دل بڑھائے جانے کا مستحق ہے اس کی حق تلفی نہ ہونی چاہئے۔حافظ ابن خیرون کوکسی نے حافظ لکھاتووہ بگڑ گئے اور فرمایا کہ میری کیا ہستی ہے جومجھ کوحافظ لکھاجائے۔(تذج ۲ص ۸)

فخر الاسلام شافعی کو اپنی کم مائگی کا احساس:

آج کل کے فاضل اپنے نام کے اول میں مولوی لکھا دیتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ حق بحقدار رسید۔ آل سلجوق کے بلند پایہ وزیر نظام الملک طوسی نے جو نظامیہ مدرسہ بغداد میں قائم کیا تھا اس میں شیخ ابو اسحٰق شیرازی اور امام حجۃ الاسلام غزالی جیسے اکابر مدرس رہے تھے۔ فخر الاسلام شافعی جب اس کے مدرس مقرر ہوئے تو پہلے روز مسند تدریس پر متمکن ہونے کے بعد ان اکابر کا تصور ان کو ہوا جو اس مسند کی عزت بڑھا چکے تھے۔ اس تصور نے ان کے پاکیزہ قلب پر ایک کیفیت طاری کر دی۔ اپنا عمامہ آنکھوں پر رکھ کر بے اختیار روئے اور یہ شعر پڑھا۔

خلت الديار فسدت غير مسود   ومن العناء تفردی بالسودد

یعنی ملک اہل کمال سے خالی ہو گیا اور میں جو شایان سرگروہی نہ تھا سرگروہ بنا۔ میرا سرگروہ یگانہ بننا کیسا اندوہ فزا ہے۔ (ابن ج ا ص ۴۶۵)

اصمعی کا قرآن وحدیث کے بارے میں احتیاط:

ادب عربی میں جو مرتبہ اصمعی کا ہے اس سے ایک زمانہ واقف ہے۔ باوجود کلام عرب کے وقائق سے واقف ہونے کے یہ امام ادب کلام اللہ اور حدیث کے معنی بیان کرنے سے بہت بچتا تھا جب اس سے اس قسم کا سوال کیا جاتا تو اصمعی یہ جواب دیتا کہ عرب اس لفظ کے یہ معنی لیتے ہیں مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کتاب وسنت میں اس لفظ کے کونسے معنی مراد ہیں۔ (ابن ج ا ص ۳۰)

ابوالعباس ثعلب کالا ادری کہنا:

امام ادب ابوالعباس ثعلب کے پاس ایک شخص آیا اوران سے کسی علمی مسئلے کا جواب چاہا۔ ثعلب کو چونکہ وہ مسئلہ معلوم نہ تھا اس لئے جواب میں لَا اَدْرِیْ کہہ دیا۔ وہ بے چارا اس امید پر آیا تھا کہ ان کے پاس اس کی مشکل حل ہو جائیگی یہاں جو یہ صاف جواب سنا تو بہت جھنجھلایا اور کہا کہ حضور کی یہ تو شہرت ہے کہ لوگ سفر کر کے حاضر ہوتے ہیں اور علم کا یہ حال کہ ایک ذرا سے سوال کے جواب میں لَا اَدْرِیْ ارشاد ہوتا ہے۔ ثعلب نے ازراہ ظرافت کہا کہ میرے پاس جتنی لا ادریان ہیں اگر تمہارے پاس اتنے اونٹ ہوتے تو تم بڑے مالدار ہو جاتے ہیں۔

متنبی شاعر پر سچ کا اثر:

متنبی زبان عربی کے مشہور شاعر کا واقعہ قتل اس بات کی کہ ان دنوں سچی بات دلوں پر کیا اثر کرتی تھی ایک بے نظیر مثال ہے۔ ایک مرتبہ شاعر مذکور اپنے وطن کوفہ کو واپس آرہا تھا۔ جب بغداد کے سواد میں پہنچا تو خونخوار قزاقوں نے حملہ کیا۔ اول تو متنبی مع رفقا کے خوب لڑا۔ مگر پھر جان بچا کر بھاگا۔ اس کے دلیر غلام نے آقا کو بھاگتا دیکھ کر کہا کہ جس شخص کا یہ شعر ہو حیف ہے کہ لوگ اس کی طرف بھاگنے کا تذکرہ زبان پر لائیں۔

فالخيل والليل والبيداءُ تعرفُني   والحرب والضرب والقرطاسُ والقلمُ

ترجمہ: گھوڑا، رات، جنگل، حرب وضرب اور کاغذ وقلم یہ سب مجھ کو خوب پہچانتے ہیں۔
متنبی یہ سن کر میدان کی طرف لوٹ پڑا اور اتنا لڑا کہ اسی جگہ کام آ گیا۔ (ابن ج ۱ ص ۳۷)

ابوالعلاءؒ اور ابن ابی الحق دونوں فن ادب کے مشہور امام تھے۔ ایک بار نحو کے

علم میں ان میں باہم مناظرہ ہوا تھا۔ کسی موقع پر ابو العلاؑ نے یونس نحوی سے اس مناظرے کا تذکرہ کیا تو صاف دلی سے اعتراف کیا کہ اس مناظرے میں ابن ابی اسحٰق قاعدہ ہمزہ میں مجھ پر غالب آ گئے تھے۔ اس فصل پر میں نے بعد کو غور کیا ہے۔

(نزہتہ ص ۲۳)

ابوزید انصاری سے کسی نے پوچھا کہ فلاں موقع پر تم محرزق بولتے ہو اور ابو عمرو محرزق صحیح کونسا لفظ ہے ابوزید نے کہا کہ چونکہ ابو عمرو کی والدہ نبطی ہیں اور یہ لفظ بھی نبطی ہے اسلئے ابو عمرو کا قول زیادہ مستند ہے۔ (نزہت ص ۱۲۴)

شعراء کا ایک دوسرے کے سامنے سر جھکانا:

شعرا اپنی بددماغی اور بے نیازی میں ضرب المثل ہیں۔ ان کی نازک مزاجی دوسروں کے کمال کے سامنے سر جھکانے کو گوارا نہیں کرتی۔ جس قرن کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔ اس کے اثر نے شاعروں کو بھی اچھوتا نہیں چھوڑا تھا۔ ابو العتاہیہ ایک دفعہ اپنے معاصر بشار سے ملنے گئے اور اثنائے کلام میں بشار سے کہا کہ تمہارے یہ شعر اعتذار بکا میں مجھ کو نہایت پسند ہیں۔

کم من صدیق لی اسا   رقہ البکاء من الحیاء

واذا تفطن لا منی   فاقول مالی من بکاء

لکن ذہبت لا رتدی   فطرفت عینے بالرداء

بشار نے کہا کہ اس مضمون میں تقدم کا شرف آپ کو حاصل ہے اور میں آپ کا کاسہ لیس ہوں اور میرا یہ شعر تمہارے ہی دریا کا قطرہ ہے چنانچہ آپ نے کہا کہ۔

فقالوقدبکیت فقلت کلا وھل تبکی من الجزع الجلید

ولکن قداصاب سواد عینی عوید قذی لہ طرف حدید

فقالوا مالد معھما سواء اکلتا مقلتیک اصاب عود

(ابن ج ا ص ۷۳)

عالم باعمل ہے اسلئے قابل زیارت ہے:

ایک روز مولانا شمس الدین رومی سے کسی نے کہا کہ شیخ ابن الوفاء مولانا خسرو کے پاس تو جاتے ہیں مگر آپ کے پاس نہیں آتے مولانا نے جواب دیا کہ حق بجانب شیخ کے ہے۔ مولانا خسرو عالم باعمل ہیں اس لئے قابل زیارت ہیں میں نے اگر چہ علم پڑھا ہے مگر سلاطین کی صحبت میں بیٹھتا ہوں۔ اس واسطے قابل زیارت نہیں رہا۔ (شق ج ا ص ۹۴)

☆☆☆☆

☆ عنوان سوم ☆

﴿ اختلاف واتفاق ﴾

اس عنوان کے قائم کرنے سے ہمارا مقصود یہ عیاں کرنا ہے کہ ہمارے علمائے سلف کا ان عالموں کے مقابلے میں کیا عمل رہا جو ان سے عقائد یا جزئیات مسائل میں مخالف تھے۔ یا زیادہ صاف الفاظ میں یہ سمجھئے کہ علمائے اہل سنت و جماعت کا سلوک دوسرے اہل قبلہ (مثلاً شیعہ وخارجی ومرجیہ وقدری) علما کے ساتھ کیسا تھا اور خود اہل سنت و جماعت کے مختلف فرقوں کے علماء کس قسم کا برتاؤ باہم رکھتے تھے۔ آیا عقائد کا اختلاف ایک ایسی حد فاصل خیال کیا جاتا تھا جو ایک کو دوسرے کی صورت سے بیزار، اسکی خوبیوں کا منکر اور اس کے ساتھ ارتباط کو ایمان میں خلل انداز سمجھنے والا بنادیتی یا آنکہ وہ رداءت عقیدہ کو بری چیز قرار دے لینے کے بعد انکو ثقہ وصالح جانتے۔ انسے احادیث روایت کرتے اور انکے علم وفضل کے حاضرا وغائبا عقیدت مندر ہتے تھے۔ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سچا اسلامی جوش اور خالص دینی حمیت قرون خیر پر ختم تھی اور نبوت کے عہد پاک کے قرب کی وجہ سے جو آثار صلاح ورشاد ابتدائی صدیوں میں تھے وہ بعد کو باقی نہیں رہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اسی وجہ سے ان بزرگوں کے طریقے اور مسلک کو عین صراط مستقیم اور ٹھیک راہ دین مانا جاتا ہے۔ پس ہمارا حال وخیال اگر سلف صالحین کے حال وخیال کے خلاف ہے تو ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم راہ صواب سے دور جا پڑے ہیں۔ یہ بات طریقہ حق سے بعید ہوگی کہ ہم انکے شیوے کے اپنے مسلک کے مخالف دیکھ کر از راہ تعصب خلاف حق سمجھیں اور

اپنے ہی خیال باطل کو عین دینداری تصور کریں۔ ہم نے اس باب میں یا تو تابعین یا تبع تابعین کے اقوال وافعال کا حوالہ دیا ہے یا ان علمائے مابعد کے اقوال وافعال کا جو بالاتفاق پیشوائے ملت مانے گئے ہیں اور مزید احتیاط یہ کی ہے کہ یہ حالات اور اقوال بھی صرف بحوالہ امام ذہبی نقل کئے ہیں جو فن رجال واسانید کے مستند امام خیال کئے جاتے ہیں اصل مبحث پر بحث کرنے سے پیشتر یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ اگلے علمائے ربانی مذہبی جھگڑوں اور دینی نزاعوں کو کیسا خیال فرماتے تھے۔ آیا ان کو تمام اصول دین اور ارکان مذہب سے زیادہ مہتم بالشان اور لائق اہتمام سمجھتے تھے یا ان کو نفرت کی نظر سے ملاحظہ فرماتے ہیں بربادی وتباہی کا ایک ذریعہ تصور کرتے تھے۔ ذیل کے اقوال صاف صاف ثابت کردیں گے کہ وہ قدسی گروہ ہمیشہ ان سے بیزار رہا۔

جعفر صادق کا قول:

امام حضرت جعفر صادق ارشاد فرماتے ہیں **ایاکم والخصومة فی الدین فانها تشتغل القلب وتورث النفاق** یعنی بچو دین میں جھگڑا کرنے سے اس واسطے کے وہ دل کو کام کی باتوں سے باز رکھتا ہے اور نفاق پیدا کردیتا ہے۔ **صدقت یا ابن رسول اللہ** جس بات سے بارہ سو برس پیشتر امام روشن ضمیر نے مسلمانوں کو ڈرایا تھا آج اس کے دردناک نتیجے اہل دین کے سامنے ہیں۔ اگر اس مقولے پر عمل رہتا تو مسلمانوں کی تاریخ میں بہت سے شرمناک صفحے نہ لکھے جاتے۔

امام اوزاعی کا مقولہ:

شام کے مقتداء امام اوزاعی کا (جو تبع تابعی ہیں) قول ہے کہ **اذا اراد**

اللّٰہ بقوم شرًا فتح علیھم الجَدَلَ ومنع عنھم العَملَ یعنی جب کسی قوم کی بربادی خدا تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے تو ان پر جھگڑے کے دروازے کھول دیتا ہے اور عمل سے باز رکھتا ہے مطلب یہ کہ جب تم یہ دیکھو کہ ایک قوم جھگڑنے میں خوب چست ہے اور عمل میں سست تو سمجھ لو کہ خدا کی بھیجی ہوئی تباہی اس پر آرہی ہے۔

حجاج بن اُرطاۃ کا قول:

ایک دوسرے تبع تابعی امام حجاج ابن ارطاۃ فرماتے ہیں کہ ماخاصَمت قط ولا جلست الی قوم یختصمون یعنی میں نے کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کیا اور نہ کبھی ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھا جو جھگڑالو ہوں۔ اس قول سے پتہ لگتا ہے کہ امام حجاج کے نزدیک کسی شخص یا فرقے سے بیزار اور ان کی مجالست سے متنفر کردینے والی کیا صفت ہوسکتی ہے آپ اگر اس مقولے کو آئندہ کے واقعات سے ملائیں گے تو ایک اہم نتیجہ حاصل ہوگا ان اقوال کو پڑھ کر ایک خلجان طبیعت کو پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ ائمہ دین نے ہمیشہ طریقہ باطل کی تردید اور راہ صواب کی تائید فرمائی ہے اور ان کے مناظرے معتزلہ وغیرہ فرقوں کے علما کے ساتھ تاریخ وفن کلام میں مذکور ہیں۔ پھر کیونکر مذہبی مباحثوں کو مورث نفاق اور باعث بربادی کہا جاسکتا ہے اس شبہے میں ایک افسوناک خلط مبحث ہے اور وہ یہ ہے کہ اختلاف وخصومت میں فرق نہیں کیا جاتا اور ہم علمائے سلف کے اختلاف کو بھی نزاعوں پر قیاس کرتے ہیں۔

اختلاف ونزاع میں فرق:

حضرت یحیٰی ابن سعید جو اکابر تابعین میں ہیں کس خوبی سے اختلاف و نزاع کا امتیاز ظاہر فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ،

اهل العلم اهل توسعة ومابرح المفتون يختلفون فيحلل هذا ويحرم هذا فلا يعيب هذا على هذا ولا هذاعلٰى هذا . (تذ ج ا ص ۷)

یعنی علما اہل وسعت ہیں اور مفتی ہمیشہ باہم اختلاف کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ ایک ایک چیز کو حلال بتلاتا ہے دوسرا اسی کو حرام کہتا ہے۔ مگر یہ اس کی عیب گیری نہیں کرتا اور وہ اس کی۔

اس مقولے میں جہاں تک کہ میری فہم ناقص میں آیا ہے۔ **ويحرم هذا** تک اختلاف کی حد ہے اس کے بعد جَدَل وخصومت کا بیان ہے۔

قول ہذا میں تین پہلو دکھلائے گئے ہیں۔ سب سے اول گروہ علما کی یہ صفت بیان کی ہے کہ ان کے خیالات وسیع ہوتے ہیں اس کے بعد یہ بتلایا ہے کہ ان میں باہم اختلاف ہوتا رہا ہے پھر یہ جتایا ہے کہ ان کا اختلاف باوجود اپنی سنگینی کے عیب گیری کی حد تک نہیں پہنچتا۔ میں اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ جو اختلاف کشادہ دلی کے ساتھ بے شائبہ عیب گیری ہو وہ سلف صالحین کا طریقہ ہے اور اسی کو رحمت فرمایا گیا ہے۔ اور جو بحث تنگ دلی اور عیب گیری کے پیرائے میں ہو وہ خصومت ہے اور اسی سے بچنے کی تاکید ائمہ ہدیٰ نے فرمائی ہے۔ آج کل مسلمانوں میں جو مباحثے ہو رہے ہیں انکو اسی معیار کے بموجب پرکھنا چاہیے اور جس قسم میں وہ داخل ہوں اس کے

احکام انپر جاری کیے جائیں۔ جزئیاتِ مسائل کا اختلاف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں شروع ہو گیا تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم نے رسالہ انصاف میں یہ اختلاف اور اس کے اسباب کسی قدر بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ ہم اس کی چند مثالیں جو طبقات الحفاظ میں نظر پڑیں یہاں درج کرتے ہیں۔

صحابہ کرام میں اختلاف رائے:

حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ سے احادیث کم روایت کی جائیں۔ بعض صحابیوں کا مسلک اس کے خلاف تھا۔ اسی اختلاف کی وجہ سے خلیفہ ثانی نے تین جلیل القدر صحابہ حضرت ابن مسعود، ابوالدرداء اور ابومسعود کو نظر بند رکھا اور فرمایا کہ تم نے آنحضرت ﷺ سے حدیثیں بہت روایت کر دیں۔ (تذج اص ۷)

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ خلیفہ الثانی حضرت اُبیؓ کی بہت تکریم کرتے تھے انسے ضرورت کے وقت فتویٰ لیتے بلکہ انکی ہیبت مانتے۔ باوجود اس کے صحابی ممدوح کے ہمراہ ایک بار ایک جماعت دیکھ کر انکے مارنے کو درہ اٹھایا۔ حضرت ابیؓ نے کہا دیکھو کیا کرتے ہو۔ خدا تم پر رحم کرے۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ یہ جماعت سرگروہ کے لئے باعث فتنہ اور تابع کے واسطے موجب ذلت ہے۔ (تذج اص ۱۵،۷)

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت ابوذرؓ کو فتویٰ دینے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اسکے بعد وہ کئی برس زندہ رہے اور ۳۲ھ میں بمقام ربذہ انتقال فرمایا رضی اللہ عنہ۔ (تذج اص ۱۶) کیا اس بیان کی حاجت ہے کہ صحابہ کرام میں ان جزئی

اختلافات کیساتھ اتفاق کیسا تھا۔

تابعین کے دور کے اختلافات:

تابعین کے زمانے میں اختلاف عقائد بھی شروع ہوگیا تھا۔ اور معتزلہ وقدریہ وغیرہ فرقے پیدا ہوگئے تھے۔ اس عہد میں بہت سے اسلامیہ فرقے ایسے موجود ہوگئے تھے جنکا اب نام ونشان بھی نہیں اور صرف کتابوں میں ذکر رہ گیا ہے۔ اس دور پاک میں مسلمانوں کے حوصلے بلند تھے اور جو کام وہ کرتے تھے اس میں جوش وہمیت کا پورا جلوہ ہوتا تھا۔ اس لیے یہ تازہ وارد فرقے بھی اپنے عقائد کی اشاعت میں پوری کوشش وسعی سے کام لے رہے تھے۔ ہمارے علماے کرام ادھر تو ملت حقہ کی حفاظت وحمایت میں جان لڑا رہے تھے۔ ادھر انہیں مخالف العقیدہ علما کی مرتبہ دانی اور حق شناسی میں نہایت کشادہ دلی سے مصروف تھے۔ ان کے حالات پڑھ کر اس کشادہ دلی کی کوئی حد معلوم نہیں ہوتی۔ تین قسم کے دلائل سے ہم اپنے اس دعوے کو ثابت کر سکتے ہیں۔

فراخ دلی کی پہلی دلیل حضرت قتادہؒ قدری تھے:

اولا علماے ممدوح نے انسے علم دین حاصل کیا اور ان کو روایت حدیث کا اہل سمجھا۔ حضرت قتادہ کی جو جلالت شان حدیث میں ہے اس سے کون واقف نہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث انکے شاگرد ہوئے ہیں۔ عقیدۃً وہ قدری شدید تھے (فرقہ قدریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے افعال خیر وشر کا خالق وقادر ہے)۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ باوجود انکے اس عقیدہ ردی کے کسی نے انکی روایت کو مستند ماننے میں پس وپیش نہیں کیا۔ (تذج ۱ ص ۱۱۰)

امام مغیرہ تابعی عثمانی تھے اور حضرت خلیفہ چہارم پر گونہ معترض۔ تاہم شعبہ اور ابوعوانہ وغیرہ جلیل الشان اماموں نے انسے حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام احمد انکی نسبت فرماتے ہیں صاحب سنة اور احمد عجلی نے انکے ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے۔ (تذج ا ص ۱۲۸)

عمرو بن مرہ مرجیہ تھے:

عمرو ابن مرہ تابعی کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ مرجیہ تھے (فرقہ مرجیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ ایمان کی حالت میں کوئی معصیت مضر نہیں جیسے کفر میں طاعت مفید نہیں۔ الملل والنحل۔)۔ پھر بھی ایک جماعت نے انکی توثیق کی ہے۔ (تذج ا ص ۱۰۸)۔

ہشام دستوائی قدری تھے:

ہشام دستوائی قدری تھے۔ امام ابن سعد انکے بارے میں فرماتے ہیں کہ کان ثقةً وحجة الا انه یری القدر یعنی وہ ثقہ اور حجت تو تھے مگر قدری تھے۔ (تذج ا ص ۱۴۸) سعید ابن عروبہ بھی فرقہ قدریہ میں سے تھے۔ فن رجال کے دو مشہور وعالی درجہ اماموں نے ان کے ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے یعنی حضرت یحیٰ ابن معین اور امام نسائی نے۔ (تذج ا ص ۱۶۰)

حسن بن صالح خارجی تھے:

حافظ ابونعیم فرماتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو شیوخ سے فن حدیث حاصل کیا مگر حسن ابن صالح سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ انکے عقیدے کی نسبت امام ذہبی فرماتے ہیں کان فیه خارجیةً یعنی ان میں خارجیت تھی۔ (تذج ا ص ۱۹۵)

ابو سہل واسطی شیعہ تھے:

امام ابو سہل واسطی شیعی تھے اور اسی جرم میں خلیفہ ہارون الرشید نے انکو قید کر دیا تھا۔ امام ذہبی انکے احوال میں تحریر کرتے ہیں متفق علی الاحتجاج به یعنی انکے حجت ہونے پر سبکو اتفاق ہی۔ (تذ ج ا ص ۲۳۸)

محمد بن فضیل شیعہ تھے:

محمد ابن فضیل کوفی بھی شیعی تھے۔ حضرت یحیٰی ابن معین نے انکی توثیق فرمائی ہے اور امام احمد انکی نسبت فرماتے ہیں حسن الحدیث شیعے۔ (تذ ج ا ص ۲۸۸) حافظ حدیث ابو معمر قدری تھے۔ اسپر بھی امام بخاری نے انسے حدیث روایت کی ہے۔
(تذ ج ۲ ص ۷۷)

شیخ بخاری عبداللہ بن موسی شیعہ تھے:

عبداللہ ابن موسی فرقہ شیعہ کے علمائے کبار میں تھے انسے بھی امام بخاری نے روایت فرمائی ہے۔ (تذ ج ا ص ۳۳۴)

امام شعرانی اور عبدالرزاق کے بارے میں علماء کا قول:

ابن الاحزم امام شعرانی کے بارے میں فرماتے ہیں صَدوق غالٍ فی التشیع یعنی سچے ہیں اور تشیع میں غالی۔ (تذ ج ۲ ص ۲۰۲) شیخ الاسلام انصاری ایک جلیل القد امام حدیث کے نسبت اپنی رائے جن الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں وہ قابل شنید ہیں۔ ثقة الحدیث رافضی خبیث. (تذ ج ۳ ص ۲۴۷) یعنی حدیث میں ثقہ رافضی خبیث ہیں۔ حضرت یحیٰی ابن معین اس مرحلے کو انتہا تک پہنچاتے ہیں اور

فرماتے ہیں کہ لو ارتد عبدالرزاق ماترکنا حدیثه یعنی اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائے تو بھی ہم اسکی روایت کردہ حدیث کو نہ چھوڑینگے۔(تذج ۳ ص ۱۴۳)

ان اقوال وافعال کو آپنے ملاحظہ فرمایا علمائے مخالف العقیدہ خواہ قدری تھے خواہ خارجی ،مرجیہ تھے یا شیعہ۔ کبار علمائے شیعہ میں سے تھے یا شیعہ غالی ورافضی خبیث مگر جب انکو ہمارے علمائے کرام نے ثقہ۔ حجت صدوق۔ صاحب سنت اور افضل پایا تو انکو ایسا ہی کہا اور ایسا ہی مانا اور انکی روایت کی ہوئی حدیثوں کو آنکھوں سے لگایا اور دل میں رکھا۔ ہم تو حیرت میں ہیں کہ ایک شخص کو رافضی خبیث کہیں اور پھر ثقہ بتائیں۔ یہ ضدین کیونکر جمع ہوئیں اور دوسرے شخص کو یہ فرض کرنے کے بعد بھی کہ وہ مرتد ہو جائے اسکی روایت کردہ احادیث کے ترک کرنے کو گوارا نہ فرمائیں۔ یہ مشرق ومغرب کا اجتماع کیسا۔ سچ یہ ہے کہ یہ معما چودھویں صدی میں حل ہونا بیحد دشوار ہے۔ اس کے حل کرنے والے وہی بزرگ تھے جنکی قوت ایمانی نے انکے قلوب تعصب سے پاک اور حق کا شیدا بنا دیا تھا۔

فراخ دلی کی دوسری دلیل:

ثانیا: انکے فضل وکمال کی یہ تعظیم کی کہ حضرت عکرمہ (جنکا عقیدہ خوارج کی جانب مائل تھا) جب بصرے تشریف لیجاتے تو حضرت خواجہ حسن بصری فتویٰ دینے اور درس تفسیر سے دست کشیدہ ہو جاتے اور جب تک انکا وہاں قیام رہتا خواجہ صاحب اسی برتاؤ کو قائم رکھتے۔(تذج ا ص ۸۴)

فراخ دلی کی تیسری دلیل:

ثالثاً: علوم ظاہر سے گزر کر ان کی روحانی عظمت کا اعتراف کیا۔

ابراہیم ابن طہمان مرجیہ کے ساتھ برتاؤ:

امام ابراہیم ابن طہمان (جن سے امام اعظم نے سماعت حدیث کی تھی) عقیدے کے مرجیہ شدید تھے ایک روز کا ذکر ہے کہ امام احمد بن حنبل بوجہ ضعف علالت تکیے کے سہارے سے بیٹھے تھے۔ اس اثنا میں کسی نے ابن طہمان کا تذکرہ چھیڑا۔ امام ربانی یہ سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جس مجلس میں صلحا کا ذکر ہو اس میں تکیہ لگا کر بیٹھنا روا نہیں۔ (تذج اص ۱۹۶)

حسن بصری کے مسند پر شیعہ کو بٹھانا:

خداوندا ایسے پاک مشرب بزرگ اب کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ منصور ابن زادان جلیل القدر تابعی تھے۔ امام ذہبی نے ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔

كان ثقة . حجة . صالحا كبير الشان. جب حضرت خواجہ حسن بصری نے رحلت فرمائی تو تابعی ممدوح نے علی ابن زید سے (جو شیعہ تھے) فرمایا کہ تم حسن کی جگہ بیٹھو۔ (تذج اص ۱۲۶) اس موقع پر اگر یہ غور سے دیکھا جائے کہ حضرت حسن بصری کی جگہ کیا جگہ تھی تو اس واقعے کی قوت انتہا کو پہنچتی ہے۔

اس زمانہ میں عقائد میں اعتدال تھا:

اس بحث میں اب صرف ایک امر فیصلہ طلب باقی ہے۔ وہ یہ کہ آیا ان فرقوں میں عقیدے کی سختی اور شدت اس عہد میں اسی حالت میں تھی جیسی آج ہے یا بجائے سختی

کے اعتدال تھا۔ ضمنی طور پر اوپر کے بعض جرحوں کے الفاظ سے سختی کا پتہ لگتا ہے لیکن ہم واقعات کی مدد سے بالتصریح ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

سب صحابہ کی ابتدا:

شیعیت میں جو سخت سے سخت بدعت ہے وہ شتم صحابہ ہے معاذ اللّٰہ من ذالک دوسری صدی ہجری میں یہ ناسزا طریقہ اس فرقے میں رائج ہو گیا تھا۔ اور عوام میں نہیں بلکہ خواص میں چنانچہ لکھا ہے کہ شیخ حدیث ابوالاحوص کا مکان جب محدثین سے بھر جاتا تو وہ اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں کہ دیکھو ان میں جو شتم صحابہ کرتا ہو اس کو نکال دو۔ (وفات ابوالاحوص ۱۷۹ھ) (تذج ا ص ۲۳۷) دوسرے واقعے سے منکشف ہوتا ہے کہ اسی عہد میں قدریت بھی سنگین پیرایہ اختیار کر چکے تھے امام ابو اسحٰق فزاری جب دمشق میں آئے تو ابواطہر سے فرمایا کہ کہہ دو کہ جو قدری ہو ہماری محفل سے چلا جائے (وفات ابواسحٰق ۲۸۵ھ) (تذج ا ص ۲۴۸)

ان دونوں واقعوں سے معترضین کچھ نفع نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے کہ جن بزرگوں کے اقوال وحالات سے ہم نے استدلال کیا ہے ان کے مقابلے میں امام ابوالاحوص وابواسحٰق کی رائے فروغ نہیں پا سکتی۔

فروعی مسائل میں اختلاف اور ادب:

اختلاف عقائد کی صورت میں جب ہمارے علما نے اپنے مخالفین سے حسن سلوک پیش نظر رکھا تو ظاہر ہے کہ اختلاف جزئیات مسائل ان کے مزاجوں پر کب موثر ہو سکتا تھا اور اسلئے اس قسم کی مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ہم تذکرۃ

چند حالات گزارش کرتے ہیں۔ آج کل خود اہل سنت و جماعت کے مختلف فرقے باہم ایسا ہی اختلاف اور شدت کا برتاؤ کر رہے ہیں جیسا وہ خلاف اہل سنت فرقوں کے ساتھ رکھتے ہیں۔ پس یہ چند مثالیں بھی خالی از نفع نہ ہوں گی۔ امام قدوری حنفی اور شیخ ابو حامد اسفرائنی شافعی کے مابین ہمیشہ مناظرہ رہتا تھا۔ مگر شیخ شافعی کا فضل و کمال امام حنفی کی نظروں میں سمایا ہوا تھا اور اس لئے وہ ان کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔

(ابن ج ا ص ۳۲۸)

حنفی عالم کا شافعی عالم کا مرثیہ پڑھنا:

فقیہ عماد الدین شافعی اور قاضی القضاۃ ابو طالب زینبی حنفی آپس میں سخت مخالف تھے۔ شافعی فقیہ کو پیام اجل قاضی القضاۃ سے پہلے آ گیا۔ چونکہ ابو طالب کا ایک مخالف دنیا سے کم ہو گیا۔ اس لئے ان کا بظاہر خوشی کا موقع تھا لیکن جب زینبی ان کے دفن سے فارغ ہوئے تو انکی قبر کی پاس کھڑے ہو کر حسرتناک یہ شعر پڑھا۔

عقم النسأ فلا تلدن شبیهه ان النساء بمثله عقم

(ابن ج ا ص ۳۲۸)

حسن بصری ابن سیرین کا اختلاف:

خواجہ حسن بصری اور امام ابن سیرین میں باہم کسی وجہ سے بدمزگی ہو گئی تھی۔ اسی بے لطفی کے سبب سے امام ابن سیرین خواجہ صاحب کے جنازے کے ساتھ تشریف نہیں لے گئے۔ ایک روز کسی شخص نے آ کر ان سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک جانور مسجد کا سب سے زیادہ خوشنما سنگریزہ اٹھا لے گیا۔ ابن سیرین نے

فرمایا کہ تیرا یہ خواب سچا ہے تو حسن بصری کی وفات قریب ہے چنانچہ چند ہی روز کے بعد اس سرگروہ اصفیا نے وفات پائی۔ (ابن ج ا ص ۱۲۹)

اس واقعے سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ باوجود اس قدر کشیدگی کے امام ابن سیرین نے خانہ خدا کا نفیس سنگریزہ خواجہ صاحب ہی کو بتایا۔

اخفش اور ابن رومی کا اختلاف:

اس بحث میں ہم ایک پر مذاق قصہ نقل کرتے ہیں اخفش امام نحو اور ابن رومی شاعر مشہور کے مابین چشمک ہوگئی تھی۔ ابن رومی بہت ضعیف الاعتقاد تھا اور بدشگونی سے بہت ڈرتا تھا اخفش کبھی کبھی اسکے دروازے پر علی الصباح پہنچتا اور کچھ نحس کلمے کہہ کر چلا آتا۔ ابن رومی پر اس کا اس قدر اثر پڑتا کہ اس روز وہم کے مارے دن بھر گھر سے باہر نہ نکلتا۔ جب وہ تنگ آ گیا تو اس نے بھی اپنا حربہ سنبھالا اور اخفش کی ہجو کہنی شروع کر دی

کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا

اخفش جو کلام فصیح پر شیدا تھا اپنے ہجو کے اشعار کو ان کی خوبی اور روانی کلام کی وجہ سے حفظ کر لیتا۔ اور مجالس املا میں جہاں اور استادوں کے شعر سند میں پیش کرتا وہاں اشعار بالا کو بھی موقع موقع سے سناتا جاتا اور فخریہ کہتا کہ چلو ابن رومی نے اس گمنام کو یاد تو کیا۔ اگرچہ ہجو کے ساتھ سہی۔ بگڑے دل شاعر نے جو یہ قصہ سنا تو جل کر ہجو کا کہنا بھی چوڑ دیا۔ (تذ ج ۳ ص ۳۷۶, ۳۷۹)

اپنوں کے ہاتھوں مصائب جھیلنا:

حیف کہ یہ بہشتی زمانہ بہت دن تک مسلمانوں میں قائم رہ کر آخر آنجہانی

ہوگیا اور نزاعوں کے دروازے امت مرحومہ کے علما پر کھل گئے۔ پھر کیا تھا قدری و جبری تو ایک طرف رہے خود اہل سنت و جماعت کے ناجی فرقوں میں وہ وہ جھگڑے ہوئے کہ کشت و خون تک نوبت پہنچی۔ بہت سے پیشوایان ملت نے خودسینوں کے ہاتھوں سے ایسی ایسی اذیتیں برداشت کیں جن کو سن کر دل کانپ اٹھتا ہے۔ امام زاہد شیخ الاسلام انصاری نے جو حنبلی تھے حنفیہ اور شافعیہ علما کے ہاتھوں کیا کیا مصیبتیں نہیں اٹھائیں۔ پانچ مرتبہ ننگی تلوار ان کی گردن پر رکھی گئی۔ وطن چھوڑ کر بلخ جانا پڑا۔

ابواسمعیل کو اپنے لوگوں نے پھنسایا:

سلطان الپ ارسلان جب ہرات پہنچا۔ تو مشائخ شہر ایک بہانے سے شیخ الاسلام کے خلوت خانے میں گئے اور ان کے سجادے کے نیچے ایک تانبے کی مورت رکھ دی اور سلطان سے مخبری کی کہ ابواسمٰعیل مجسمیہ فرقہ کے پیرو ہیں۔ اور انہوں نے اپنی محراب میں ایک بت رکھ چھوڑا ہے۔ (تذج ۳ ص ۲۷۶,۳۷۹)

طرفہ ماجرا یہ ہے کہ شیخ الاسلام وہ بزرگ عالی درجہ ہیں جن کی شان وعظمت کا اہل ظاہر و باطن دونوں نے اعتراف کیا ہے۔

حلیۃ الاولیاء کے مصنف سے سوشل بائیکاٹ:

حافظ کبیر ابونعیم صاحب حلیہ جن کا نام آج تک ادب کے ساتھ لیا جاتا ہے ان کی ایک زمانے میں یہ حالت تھی کہ مذہبی مخالفت کی وجہ سے لوگوں نے ان سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ اس زمانے میں حنبلیوں اور اشاعرہ میں اس قدر تعصب بھڑکا ہوا تھا کہ روز فتنہ وفساد برپا رہتا تھا۔ ایک دن جب حافظ ابوبکر ابن علی کی مجلس املاختم ہوگئی تو ایک

بیچارے شخص نے کہیں یہ کہہ دیا کہ جس کو ابو نعیم کی مجلس درس میں چلنا ہو وہ اٹھے یہ کہنا تھا کہ اس کی شامت آ گئی۔ مجلس میں یہ سنتے ہی ایک ہنگامہ مچ گیا اور سارے اصحاب حدیث قلم تراش لے کر اس مصیبت زدہ پر دوڑ پڑے قریب تھا کہ وہ اسی موقع پر قتل ہو جائے خدا خدا کر کے اس کی جان بچی۔

(تذ ج ۳ ص ۲۹۳، ۲۹۴)

ہم انہیں دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں اور اس سے زائد یہ قابل تاسف قصے بیان کرنا نہیں چاہتے حیف یہ ہے کہ جب کبھی جو کچھ کیا گیا ہمیشہ اس کا نام نصرت دین اور حمایت ملت ہی رکھا گیا۔ اگر ہم اس باب کے اول و آخر واقعات کو ملائیں تو صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اختلاف و اتفاق کے لئے مذہب و عقائد کے ماوراء بھی بہت سے اسباب ہیں۔ عنوان ہذا کو ہم ذیل کی نتیجہ خیز حکایت پر ختم کرتے ہیں۔

اختلاف کا ایک سبب بغض بھی ہے:

نحو کا امام یذیدی ایک روز امام ادب خلیل بصری سے ملنے گیا۔ خلیل اس وقت ایک وسادہ (گدے) پر متمکن تھے۔ یذیدی کو آتا دیکھ کر ایک طرف کو ہو بیٹھے اور وسادے کا ایک حصہ خالی کر دیا۔ یزیدی نے بیٹھ کر کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ تکلیف سے بیٹھے ہیں یہ سن کر اس ادیب بے نظیر نے یہ لاجواب جواب دیا، **ماضاق موضع علی اثنین متحابین والدینا لا تسع اثنین متباغضین.** یعنی، دو دوستوں کے لئے کوئی جگہ تنگ نہیں اور دو دشمنوں کے لئے سارے جہاں میں بھی وسعت نہیں۔ (ابن ج ۴ ص ۳۳۰)

☆ عنوان چہارم ☆

﴿ حسن معاش ﴾

علمائے سلف کی طالب علمی، حق پسندی اور حالت اتفاق واختلاف سے ہم بحث کر چکے اور جیسی کچھ بحث کی گئی آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ ایک نہایت ضروری پہلو پر ہنوز بحث باقی ہے وہ یہ کہ ہمارے علماء نے دنیا میں کس طرح بسر کی اور اپنی معاش کو کس طور پر حاصل کیا۔ ان کے صفات کی تکمیل ایک حد تک اس موضوع پر منحصر ہے۔

دنیا اور اس کے معاملات اگر لغو ہوتے ہیں تو پانچوں وقت کی نماز میں دین کی بھلائی سے پہلے دنیا کی بھلائی کی دعا نہ مانگی جاتی اور فقہ کی کتابوں میں صرف عبادات کے ابواب ہوتے معاملات کے پیچیدہ مسائل کا ذکر نہ ہوتا۔

علما جب دنیا میں رہے اور دنیا کے تعلقات انہوں نے پیدا کئے۔ کسی انسان کے محکوم بنے کسی کے حاکم۔ مختلف مشرب وخیال کے آدمیوں سے مل جل کر اس عالم میں رہے تو فطرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے ان تعلقات کو کیسے نبھایا۔ آیا سلیقے اور خوبی سے سب کے حقوق ادا کئے یا ان کو تسامح اور بے پروائی کی نذر کر کے اس کا دل خوش کن نام استغناء رکھا۔

ائمہ مجتہدین نے جو موشگافیاں مسائل معاملات میں کی ہیں اور جو آسان راہیں کاروبار کے متعلق نکالی ہیں وہ اس امر کی زبردست شہادت ہیں کہ وہ اعلیٰ درجے کے معاملہ فہم اور معاملات دنیا میں غور فرمانے والے تھے۔

اس عنوان میں سب سے اول ہم یہ دیکھیں گے کہ علمائے سلف نے اپنی معاش کن

ذرائع سے پیدا کی۔اس کے بعد یہ بحث کریں گے۔کہ ان کے تعلقات ملوک ورعایا کے ساتھ کیسے رہے آخر میں ان کے مختلف حالات ایسے لکھیں گے جن سے کسی نہ کسی پہلو سے ان کے طرز معاشرت پر روشنی پڑے گی۔

﴿کسب معاش﴾

تجارت :

تجارت مسلمانوں کا مقدس پیشہ ہے۔یہ بات مسلم ہے کہ سارے مسلمانوں میں افضل صحابہ کرام تھے اور مہاجرین کو فضیلت تھی اور مہاجرین میں قریش کا مرتبہ بڑھا ہوا تھا۔قریش کا خاص پیشہ تجارت تھا۔جس کا ذکر کلام پاک میں جابجا موجود ہے علمائے سلف میں جن بزرگوں نے معاش قوت بازو سے حاصل کی ان کا رجحان خاطر اکثر تجارت کی طرف رہا ہے چنانچہ ہم ذیل میں ایک جدول کے ذریعے سے ان علما کے نام نامی مع اس مال کے جس کی وہ تجارت فرماتے تھے عرض کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے بڑے علمائے امت نے تجارت کے وسیلے سے کسب معاش فرمایا تھا۔

شمار	اسمائے علما	مال تجارت	کیفیت
۱	حضرت سالم بن عبداللہ	”	بازار میں لین دین کیا کرتے تھے۔ (تذج اص ۷۷)
۲	امام یونس ابن عبید	ریشمی پارچہ	(تذج اص ۱۳۰)

۳	داؤد ابن ابی ہند	ریشمی پارچہ	(تذج اص ۱۳۰)
۴	امام ابوحنیفہ	ریشمی پارچہ	امام ممدوح کی صدر دوکان کوفے میں تھی اور ان کے ایجنٹ جابجا ملک میں پھیلے ہوئے تھے جو مال خرید کر صدر کو بھیجتے تھے (تذج اص ۱۵۱)
۵	حضرت عبداللہ ابن مبارک	”	امام ذہبی ان کا ذکر یوں شروع کرتے ہیں الامام التاجر السفار دوسرے موقع پر فرماتے ہیں افنی عمرہٗ حاجاً وتاجرًا۔ (تذج اص ۲۵۰)
۶	حافظ الحدیث غندر بصری	چادر اور سوتی پارچہ	(تذج اص ۲۷۵)
۷	عبدالرزاق حمیری	”	امام ذہبی فرماتے ہیں۔رحل تجارۃ الی الشام۔(تذج اص ۳۳۴)
۸	حافظ الحدیث فضل کوفی	”	(تذج اص ۳۴۱)
۹	حسن بن ربیع کوفی استاد امام بخاری	بوریے	اسی تجارت کی وجہ سے ان کا لقب بواری ہے۔(تذج ۲ص ۴۴)

۱۰	امام ابوالحسن نیشاپوری	"	(تذ ج ۳ ص ۱۰۱)
۱۱	ہشام دستوائی	پارچہ	دستوا اہواز (عراق عرب) کا ایک پرگنہ تھا وہاں سے کپڑا لا کر فروخت فرماتے تھے اس لے دستوائی لقب پڑ گیا۔ (تذ ج ا ص ۱۴۷)
۱۲	امام ابن جوزی	تانبا	انکے گھرانے میں تانبے کی تجارت ہوتی تھی۔ آپ کبھی کبھی اپنے نام کے آگے صفار (ٹھیرا) لکھدیتے۔ (تذ ج ۴ ص ۱۳۷)
۱۳	حافظ الحدیث ابن رومیہ	ادویہ	اسی تجارت کے سبب سے انکا لقب عشاب ہوگیا تھا۔ (تذ ج ۴ ص ۲۱۷)
۱۴	ابو یعقوب لغوی	چوبی لٹھا	(ابن ج ا ص ۳۱۵)
۱۵	محمد ابن سلیمان	گھوڑے	(تذ ج ۳ ص ۱۰۸)

حرفت:

جن علمائے سلف نے اپنی معاش حرفت کے ذریعے سے حاصل کی اور ان کے نام ہم کو معلوم ہو سکے ان کے نام اور کام نیچے کے نقشے میں درج کیے جاتے ہیں:

شمار	اسمائے علماء	حرفت	کیفیت
۱	ابوالفضل مہندس دمشقی طبیب مشہور	نجاری	اس فن میں وہ بہت ماہر تھے اور کثرت سے کام انکے پاس آتا۔ بیمارستان کبیر شاہی شفاء خانے کے اکثر دروازے انکے ہاتھ کے بنے تھے جامع مسجد دمشق کی گھڑیاں (ساعات) انھوں نے درست کی تھیں اور انکی نگرانی کے متعلق انکو تنخواہ ملتی تھی۔ (عیون ج۲ص۱۹۱)
۲	ابن طاہر	کتابت	صحیحین اور ابوداؤد سات سات بار اور سنن ابن ماجہ دس بار اجرت پر لکھی۔ (تذج۴ص۴۰)
۳	امام ابوالولید باجی	تاردبکنا	(تذج۳ص۱۳۱۷)
۴	ابوسعید نحوی	کتابت	دس ورق روزانہ لکھتے تھے۔ یہ کام کرکے عدالت قضا میں اجلاس کرتے۔ انہیں اوراق کی اجرت پر بسر اوقات ہوتی۔ (نزہت ص ۲۸۱)
۵	ابن الہیثم طبیب نامور	کتابت	تین کتابیں سال بھر میں لکھتے مجسطی، متوسطات اور اقلیدس انکی قیمت ڈیڑھ سو اشرفی لیتے اور انھیں روپیوں پر بسر کرتے۔ (عیون ج۲ص ۹۱)
۶	امام ابن الخاضبہ	کتابت	(تذج۴ص۲۴)

ملازمت:

ملازمت اس لحاظ سے کہ وہ انسانی آزادگی پر ایک ٹیکس اور بھاری ٹیکس لگانے والی ہے ان مزاجوں کو راس نہیں جو سارے عالم کے بکھیڑوں سے ایک علم کے خاطر آزاد اور بے تعلق رہنا پسند کرتے ہیں اور اس وجہ سے ابتداءً ہم کو اس سے مایوسی تھی کہ ہم اس حصہ عنوان ہذا کو معمور کر سکیں گے۔ مگر واقعات نے ہماری مایوسی کو بدگمانی ثابت کیا اور حالات نے بتلایا کہ علمائے سلف نے علمی شان کو قائم رکھ کر اعلیٰ سے اعلیٰ دنیاوی عہدے حاصل کیے اور انکے فرائض قابل ستایش طریقے سے انجام دیئے ہیں۔

ہم ذیل میں چندان علما کے اسم گرامی درج کرتے ہیں جو عہدہ جلیلہ وزارت تک ترقی کر کے پہنچے۔ اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ اس سے کم درجے کے عہدے بھی انکی ذات سے ممتاز رہے ہونگے:

شمار	اسمائے علما	کس بادشاہ کے وزیر رہے	کیفیت
۱	امام ابوالفضل ابن خزابہ بغدادی	ملک کافور والی مصر	امام دارقطنی نے ان سے روایت کی ہے اور حافظ شارح انکی نسبت فرماتے ہیں کان من الحفاظ الثقاۃ یروی فی حالۃ الوزارۃ (تذج ۳ص ۲۲۶،۲۲۷)
۲	قاضی علامہ ابن نظیر		تذج ۳ص ۲۶۳

۳	امام ابن حزم	خلیفہ مستظہر باللہ	تذ ج ۳ ص ۲۶۴
۴	امام لغت ونحو افیلی	مکتفی باللہ خلیفہ اندلس	ابن ج ا ص ۱۲
۵	کمال الدین فقیہ شافعی	نورالدین زنگی والی شام ومصر	قاضی ابن خلکان انکی نسبت کہتے ہیں۔ کان عظیم الریاسة خبیرًا بتدبیر الملک (ابن ج ا ص ۴۷۲)
۶	مولانا تاج الدین ابراہیم پاشا رئیس الوزراء	سلطان بایزید رم	شق ج ا ص ۲۳۱

تلاش سے اور بھی مثالیں اسکی مل سکتی ہیں مگر نمونے کے لئے اسی قدر شاید کافی ہونگی کم درجے کی ملازمتیں اختیار کرنے سے بھی علما کو احتراز نہیں رہا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ کہ امام اسمعیل جو امام اوزاعی کے استاد ہیں خلیفہ منصور کے توشہ خانہ (خزانۃ الثیاب) کے داروغہ تھے۔ (تذ ج ا ص ۲۳۰)

اسی سلسلے میں ہم کچھ نظیریں ان علما کی پیش کرنا چاہتے ہیں جو وقتاً وقتاً ایک دربار کی جانب سے دوسرے دربار کو بطور سفیر تشریف لے گئے۔ سب سے زیادہ قابل غور امام شعبی اور شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کی مثالیں ہیں۔ اول الذکر میں یہ امر لائق لحاظ ہے کہ جس دربار کو سفارت لے گئے وہ غیر مسلم دربار تھا اور

دوسرے میں وہ تفرد اور تجرید قابل ملاحظہ ہے جو سرگروہ سلسلہ سہروردیہ کو دنیاوی تعلقات اور علائق سے تھی۔ یہ مثالیں بین ثبوت اس امر کی ہیں کہ علمائے کرام کو ہر حال میں مسلمانوں کے مصالح دینی کے ساتھ دنیاوی مصلحتوں پر نظر رہی ہے اور دونوں کو انھوں نے قابل توجہ خیال فرمایا ہے۔

شمار	اسمائے علماء	کس دربار کی جانب سے سفیر ہوئے	کس دربار میں گئے	کیفیت
۱	امام شعبی	خلیفہ عبدالملک اموی	قیصر روم	قیصر کے دل پر انکی دانشمندی کا بہت اثر ہوا اور اسنے خلیفہ کو لکھا کہ مجھے تعجب ہے کہ ایسے شخص کے ہوئے مسلمانوں نے کیوں دوسرے شخص کو خلیفہ بنایا۔ جب واپس آنے پر خلیفہ نے یہ فقرہ امام شعبی کو سنایا تو آپ نے کہا اور کیا خوب کہا کہ قیصر نے مجھ کو تو دیکھا مگر آپ کو نہیں دیکھا آپ کو دیکھ لیتا تو ایسا نہ لکھتا۔ (تذج اص ۷۴)

۲	شیخ حضرت شہاب الدین سہروردی	دیوان عزیز یعنی دربار بغداد	دربار اربل	ابن ج ا ص ۴۵۱
۳	حافظ ابن ماکولاء	دیوان عزیز	طغاخان والی سمرقند	تذ ج ۴ ص ۵
۴	امام ابو المحاسن قرشی	دیوان عزیز	نورالدین زنگی	اس وقت ان کی عمر تیس برس کی تھی۔ تذ ج ۴ ص ۱۵۸
۵	امام ابو یعقوب شیرازی	دیوان عزیز	متعدد بار	تذ ج ۴ ص ۱۵۰
۶	محمد ابن سلامہ قضاعی	دربار مصر	دربار روم	حمیدی نے انسے روایت کی۔ ابن ج ا ص ۴۶۲
۷	کمال الدین فقیہ شافعی	خلیفہ مقتفی باللہ	قلیج ارسلان والی روم	ابن ج ا ص ۴۷۲
۸	علامہ قوشجی شارح تجرید	مرزا الغ بیگ والی سمرقند	سلطان محمد خان فاتح	ان دونوں سلطنتوں میں نزاع تھا اسی لئے یہ بھیجے گئے تھے۔ ان کی حسن سعی سے صلح ہوگئی۔ شق ج ا ص ۱۷۷

تمول:

اہل کمال کے لئے مالدار ہونا انکی خوبی میں داخل نہیں اور نہ اسکے عدم یا وجود سے انکی عظمت کم یا زیادہ ہوسکتی ہی۔ بااینہمہ متمول ہونا اور باکمال ہونا یہ دونوں صفتیں باہم منافی بھی نہیں۔ حالات خاص نے اسکا مخالف پہلو ذہنوں میں راسخ کردیا ہے۔ اوراس پہلو کے ذہن نشین ہونے سے بجائے نفع کے قوم کونقصان پہنچا ہے۔ ہم اس غلطی کورفع کرنے کیلئے مختصر سے واقعات ایسے عرض کرنے کے درپے ہیں جوعلماے دین اورائمہ مذہب کے تمول کا ثبوت دیں ان میں سے بعض واقعات یہ بھی دکھلائیں گے کہ جودولت سرمایہ غفلت تصور کی گئی ہے وہی نیک اورلائق ہاتھوں میں پہنچ کرکیسی خیروبرکت کی باعث ہوسکتی ہی۔

امام وعلج کی مالداری:

امام وعلج بغدادی جودارقطنی کے استاد ہیں انکی سرکار سے مکہ مکرمہ عراق اور سجستان کے علمائے حدیث کے وظائف مقرر تھے۔ مکہ مکرمہ میں ایک مکان جسکا نام دارالعباس تھا انہوں نے تیس ہزار اشرفی میں خریدا تھا۔ جب انھوں نے وفات پائی تو معزالدولہ نے تین لاکھ اشرفیاں انکے ترکے میں سے لے لیں۔ (تذج ۳ص ۹۸)

ابوالہیثم کی مالداری:

امام ابولہیثم کی نسبت لکھا ہے کہ بہت مالدار تھے۔ تین یا چار دفعہ انہوں نے اپنے ہموزن چاندی خیرات کی تھی۔ (تذج اص ۲۳۶)

ابن العربی کی مالداری:

حافظ ابن العربی کے تمول اور فیاضی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ شہرا شبیلیہ (واقع اندلس) کی شہر پناہ انہوں نے اپنی جیب خاص سے تعمیر کرائی تھی۔

(تذ ج ۴ ص ۹۱)

سالانہ عشر کی مقدار:

حافظ رئیس ابن ابی ذہل ہروی کی سالانہ آمدنی اتنی تھی کہ عشر کی بابت ایک ہزار خروار غلہ کی سال بہ سال انکی سرکار میں آتی تھیں۔ امام ذہبی انکی نسبت فرماتے ہیں کان کثیر الاموال. (تذ ج ۳ ص ۲۱۳)

قاضی عیاض کی ریاست:

قاضی عیاض صاحب مشارق الانوار کو اپنے عہد میں اسقدر رفعت اور ریاست حاصل تھی کہ کبھی کسی کو انکے شہر میں نصیب نہیں ہوئی۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ جس قدر انکی رفعت بڑھی اس قدر انکی تواضع اور خوف الٰہی میں ترقی ہوتی گئی۔

(تذ ج ۴ ص ۱۰۰)

شیخ ابو حامد اسفرائنی کی نسبت ابن خلکان اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں انتهت الیه ریاسة الدنیا و الدین ببغداد. (ابن ج ۱ ص ۱۹)

علماء کے تعلقات سلاطین کے ساتھ اور سلاطین پر ان کا اثر

انقلاب زمانہ نے جو تہ بتہ پردے علمائے سلف کے حالات پر ڈالے ہیں انھوں نے انکی بہت سی اعلیٰ اور مفید صفتیں نظروں سے چھپادی ہیں ۔ جب انکے صفات کی اصلی تصویریں چھپ گئیں تو ذہنوں میں انکے غلط نقشے کھنچے اور جیسے وہ نہ تھے ویسے مانے گئے ۔اور جب ان غلط نقشوں کی پیروی کی گئی تو قدم راہ صواب سے دور جا پڑے اور مقصود فوت ہوگیا علمائے کرام کی نسبت گویا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ ان کو سلطنت وسلاطین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ تعلق انکے لئے زیبا ہے۔اسی خیال کا یہ اثر ہے کہ ہم صدیوں سے علما اور سلاطین کو باہم نا آشنا اور بیگانہ پاتے ہیں جن دقیق نگاہوں نے سوسائٹی کے حالات اور اس کے باہمی تعلقات کی پوری پوری چھان بین کی ہے ۔ انہوں نے پتہ لگایا ہے کہ مختلف تمدنی گروہ کسی نہ کسی قانونی سلسلے میں ضرور جکڑے ہوئے ہیں ۔اور اپنی اپنی متناسب جگہ پر کسی نہ کسی اصول کے مطابق قائم ہیں ۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ان سلسلوں میں سے کوئی سلسلہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو نظام قومی درہم برہم ہو جائیگا۔

ملکی سیاست میں علماء کی ضرورت:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب علما کا قدم سلسلہ انتظام سے نکل گیا تو جو کام اس عظیم الشان سلسلے میں ان کے کرنے کے تھے وہ ابتر ہو گئے ۔اور اس طرح حکومت وخلافت کی وہ ہیئت کذائی قائم نہ رہی جو مقنن اسلام نے کھینچی تھی ۔ہم نے جس تعلق کی نفی اوپر کی ہے اس سے ہماری مراد وظیفہ خواری یا صلہ بخشی کا تعلق نہیں ہے بلکہ وہ

تعلق مراد ہے جو ایک رکن انتظام کو اس کے سر گروہ کے ساتھ ہوتا ہے ہماری اس تمہید کو جو حضرات ملاحظہ فرمائیں وہ علما کا مفہوم ذرا عالی ذہن میں قرار دیں ورنہ ہمارے الفاظ بھٹی سے زیادہ رتبہ حاصل نہ کریں گے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ ہر منصب اور مرتبہ خاص خاص صفات چاہتا ہے اور جب تک انسان وہ صفات نہ پیدا کرے اس منصب کے لائق نہیں ہوسکتا۔ جن علما کے سلسلہ انتظام سے خارج ہو جانے کی وجہ سے ہم نے سلسلہ حکومت کو ابتر قرار دیا ہے وہ علماء وہ تھے جو مدبرانہ دل و دماغ رکھتے تھے اور معاملے کو معاملے کے پہلو سے سمجھنے والے تھے نہ کسی اور پہلو سے۔

علماء کی برکات ملکی سیاست میں:

ہم جو واقعات اس سلسلے میں پیش کریں گے وہ شاید اس بات کے ثابت کرنے میں قاصر نہ رہیں کہ علمائے نے جو سلطنتوں اور سلاطین سے تعلق رکھا تو وہ تعلق عامہ مسلمین اور خود سلطنت کے حق میں کیسا مفید ہوا اور کیسی دینی اور دنیاوی برکتیں اس سے مسلمانوں کو پہنچیں۔ جو تعلق ایسا فائدہ مند اور نافع تھا وہ حقارت اور نفرت سے دیکھے جانے کے لائق نہ تھا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بہت سے علمائے کرام وقتاً فوقتاً یا ہمیشہ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے ایسے تعلقات کو عار بلکہ مضر تصور فرمایا ہے مگر ساتھ ہی اس کے ہجری صدیوں کے اوائل میں کچھ نہ کچھ علمائے کرام ہمیشہ ایسے بھی موجود ہوتے تھے جو ان تعلقات کو اختیار فرماتے تھے اور اس طرح دینی و دنیاوی سلسلوں میں سد سکندری قائم نہیں ہونے پاتی تھی۔ امام اعظم نے عہدہ قضا قبول نہیں فرمایا اور اس سختی سے انکار فرماتے رہے کہ درّے کھائے، قید بھگتی۔ انہیں کے شاگرد رشید امام ابو

یوسفؒ سارے قاضیوں کے سرگروہ بنے اور ہارون الرشید کی مشہور خلافت کی خوبیوں میں ایک خوبی ان کی ذات سے پیدا ہوئی ع

وللناس فیما یعشقون مذاهب

عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلافت ایک عالم رجاء بن حیات کی برکت سے ملی:

حضرت عمر ابن عبدالعزیز جن کی خلافت، خلافت راشدہ مانی گئی ہے اور جن کے عہد حکومت نے عالم کو عدل وانصاف سے مالا مال کر دیا تھا اگر ایک امام تابعی کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو بظاہر اسباب دنیا ان کی حکومت کی نعمت سے محروم رہتے۔ اور از سر نو عالم میں اسلامی تازہ روح نہ پھکتی۔ جب سلیمان ابن عبدالملک خلیفہ دمشق کو شدت مرض نے مایوسی کے انداز دکھلائے اور رحلت کے قریب کی پیشین گوئی کی تو اس کی اپنے جانشین کی تعین کی فکر ہوئی۔ ایک کاغذ پر اس نے ولی عہد کا نام لکھا اور مشورے کے لئے امام رجاء (تابعین کے چوتھے طبقے میں فن حدیث کے امام ہیں مکحول نے ان کو سید اہل شام بتایا ہے اور بعض نے شامیوں میں سب سے زیادہ فقیہ ان کو مانا ہے۔) (تذج اص ۱۰۵) ابن حیات کے سامنے پیش کیا۔ امام ممدوح نے جو اس کو پڑھا تو اس میں خلیفہ کے ایک نابالغ بیٹے کا نام درج پایا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے سلیمان سے فرمایا کہ خلیفہ کو قبر میں آسودگی مطلوب ہے تو اپنا جانشین مرد لائق مقرر کرنا چاہئے۔ خلیفہ کے دل میں ان کا یہ کلام چبھا اور اس نے کہا کہ میں مکرر غور کرلوں۔ ایک یا دو دن کے توقف کے بعد اس نے وہ کاغذ چاک کر ڈالا۔ اور امام ابن حیات کو بلا کر پوچھا کہ میرے بیٹے داؤد کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے امام نے فرمایا کہ وہ قسطنطنیہ کی

مہم پر یہاں سے صدہا میل دور ہے اور نہ معلوم اس وقت زندہ بھی ہے یا نہیں۔

خلیفہ: تو پھر میں کس کو ولی عہد مقرر کرلوں؟

امام: جو امیر المؤمنین کی رائے میں اس منصب کے قابل ہو۔

خلیفہ: عمر ابن عبدالعزیز کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟

امام: میرے خیال میں وہ نیک، فاضل اور سلیم الطبع ہیں۔

خلیفہ: تمہاری رائے درست ہے وہ ایسے ہی ہیں اور میں انہیں کو ولی عہد کردوں گا یہ کہہ کر سندِ ولی عہدی حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے لئے لکھی اور اس کو سر بمہر کر دیا اس کے بعد کوتوال شہر کو طلب کر کے حکم دیا۔ کہ خاندان خلافت کے کل ارکان حاضر کئے جائیں۔ جب سب حاضر ہوئے تو امام رجاء نے حسب ایما، خلیفہ اس سر بمہر کاغذ پر سب سے بیعت لی۔ اور بعد بیعت ان کو رخصت کر دیا۔ اس عہد نامے کی تکمیل کے بعد اجل نے سلیمان کو زیادہ بہت مہلت نہیں دی اور چند ہی ساعت کے بعد اس کو ملک و مال سے جدا کر دیا۔ امام ابن حیات نے ایک معتمد خلیفہ کو ایوان کے دروازے پر بٹھا دیا کہ کسی کو اندر نہ جانے دے اور اس طرح اس کی وفات کی خبر کو شائع ہونے سے روک دیا۔ اس انتظام سے فارغ ہو کر انہوں نے کوتوال کے ذریعے سے پھر اہل بیت خلافت کو بلایا۔ اور دوبارہ اس سر بمہر فرمان پر ان سے بیعت لی۔ جب بیعت ہو چکی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب کل کارروائی مستحکم ہے تو انہوں نے فرمایا کہ خلیفہ نے وفات پائی اور یہ کہہ کر اس کاغذ کو کھول کر سنایا۔ جب ہشام ابن عبدالملک نے (جو دعویدار خلافت تھا) حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا نام سنا تو کہنے لگا کہ قسم ہے رب کی ہم کبھی ان کی بیعت نہیں کر سکتے۔ امام رجاء نے کہا کہ بہتر ہے کہ کھڑے ہو اور آ کر

بیعت کرو ورنہ تلوار سے تمہارا ہی فیصلہ ہو جائے گا۔ ہشام کو موقع کا رنگ دیکھ کر چار و نا چار بیعت کرنی پڑی۔ ہشام کی بیعت کے بعد امام رجاؒ نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا بازو پکڑا اور منبر پر بٹھا دیا۔ منبر پر پہنچتے ہی ان کی خلافت کا عملی دور شروع ہو گیا۔ اس واقعے سے امام رجاؒ ابن حیات کی قوت فیصلہ۔ حسن تدبیر اور استقلال طبیعت جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے۔ الفاظ خود بتا رہے ہیں۔ ہمارے جتانے کی کچھ حاجت نہیں۔

(کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۱۶,۱۵)

امام ابو یوسفؒ کی دربار شاہی میں حیثیت:

امام ابو یوسف کا جو اقتدار خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں رہا اس سے ایک عالم واقف ہے۔ ابن خلکان ان کی نسبت لکھتے ہیں کہ ابو یوسف علم و حکمت اور ریاست و اقتدار میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی دربار میں نہ تھا۔ (ابن ج ۲ ص ۳۰۴)

یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ مذہب حنفی کی اشاعت میں امام ابو یوسف کے اقتدار نے غیر معمولی قوت پیدا کر دی تھی امام یحیٰی ابن یحیٰی مصمودی جو حضرت امام مالک کے شاگرد رشید اور موطا کے ناقل ہیں ملک اندلس کے امرا و سلاطین کے یہاں بہت محترم تھے اسی اقتدار کے اثر سے امام مالک کا مذہب ملک اندلس میں پھیلا۔

(ابن ج ۲ ص ۲۱۶)

یحیی ابن اکثم کے دستخط کے بغیر وزراء کے احکام نافذ نہیں ہوتے تھے:

ایک اور امام وقت حضرت یحیٰی ابن اکثم دربار مامونی میں اول درجے کے ذی اثر رکن

تھے۔ابن خلکان ان کی نسبت یہ الفاظ لکھتے ہیں ان کے علم وفضل، ریاست اور سیاست اور اس تعلق سے جو ان کا خلفا اور سلاطین کے ساتھ رہا زمانہ واقف ہے۔ مامون الرشید کے مزاج پر وہ اس قدر حاوی تھے کہ کسی کی وقعت ان سے زیادہ خلیفہ کے دل میں نہ تھی چونکہ خلیفہ کو علوم میں کمال تھا اس لئے اس نے ان کے علم وعقل کے مرتبے کو کما حقہ سمجھا تھا۔عہدہ قاضی القضاتی پر وہ ممتاز تھے۔تدبیر مملکت میں ان کو اس قدر مداخلت حاصل تھی کہ وزرا کے احکام ان کی رائے لینے کے بعد نافذ ہوتے تھے (ابن ج ۲ ص ۲۱۷)

شہاب الدین غوری امام رازی کی قدر کرتے تھے:

سلطان شہاب الدین غوری کی (جس کا نام تاریخ ہندوستان میں آج تک روشن ہے) مدد آغاز کار میں امام فخر الدین رازی نے اپنے مال ودولت سے فرمائی تھی۔ جب وہ بڑھ کر سلطان ہوگیا تو یہ اس کے دربار میں گئے اور شہاب الدین نہایت احترام کے ساتھ پیش آیا۔اسی طرح امام ممدوح دربار خوارزم میں موقر اور محترم تھے۔(ابن ج ا ص ۴۷۵)

شاہی تقرب اور علماء:

امام زہری خلیفہ عبدالملک اور ہشام کے متقربین میں تھے۔(ابن ج ا ص ۴۵۱) اور خطیب بغدادی عزالدولہ کے متقربوں میں داخل تھے۔(تذ ج ۳ ص ۳۳۴) مولانا قوینوی کی نسبت لکھا ہے کہ سلطان روم کے حضور میں ان کو نہایت قدرت وتمکین حاصل تھی اور نو برس تک وہ اسی شان سے مقبول بارگاہ سلطان رہے۔(العقد المنظوم ص ۳۶۹)

امام غزالی نے جب امیر المسلمین یوسف ابن تاشقین کی تعریف سنی تو اس سے ملنے کیلئے افریقہ کو روانہ ہوئے۔ امام ممدوح ہنوز منزل مقصود تک نہ پہنچے تھے کہ امیر موصوف کو اجل نے عالم آخرت میں پہنچا دیا۔ یہ خبر امام غزالیؒ نے اسکندریہ میں سنی اور وہیں سے واپس چلے آئے۔ (ابن ج ۲ ص ۲۷۰)

شاہی خاندان پر علماء کا رعب:

ابن رافع قشیری حافظ حدیث اپنے مکان پر حدیث شریف پڑھایا کرتے تھے اور طلبہ کے علاوہ خراسان کے امیر نامور طاہر کی اولاد بھی خدم وحشم حاضر درس ہوتی شیخ کے جلال کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کسی کو بات کرنے یا مسکرانے کی تاب ومجال نہ ہوتی۔ (تذ ج ۲ ص ۹۳)

عبدالغنی دمشقی کا رعب:

ملک عادل سلطان صلاح الدین کا بھائی بڑے دبدبے اور سطوت کا فرماں روا گزرا ہے۔ ایک مرتبہ محدث اسلام عبدالغنی دمشقی اس سے ملنے گئے تھے۔ ملک عادل کا بیان ہے کہ جس وقت حافظ عبدالغنی میرے سامنے آئے تو مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ ایک شیر آ گیا۔ (تذ ج ۴ ص ۱۶۹)

علامہ تفتازانی کا رعب:

امیر تیمور نے ایک روز اپنا ایک قاصد کسی ضروری کام پر روانہ کیا تھا اور اس کو یہ عام اجازت تھی کہ ضرورت کے وقت جس کا گھوڑا مل جائے اس پر سوار ہو لے۔ قاصد کو چلتے چلتے کسی موقع پر سواری کی حاجت ہوئی۔ اتفاقاً اسی موقع پر علامہ تفتازانی

مصنف مطول خیمہ زن تھے اور ان کے خیمے کی پیشگاہ میں ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ برید وہاں گیا اور جاتے ہی بیدھڑک ایک گھوڑا کھول لیا علامہ ممدوح اس وقت اپنے خیمے کے اندر تھے۔ اس قصے کی اطلاع ہوئی تو نہایت برہم ہوئے اور قاصد سلطانی کو پٹوا کر نکلوا دیا۔ وہ جب لوٹ کر دربار میں پہنچا تو اس نے علامہ تفتازانی کی شکایت پیش کی۔ امیر تیمور کا جو حال یہ ماجرا سن کر ہوا ہوگا آسانی سے قیاس میں آسکتا ہے۔ ہیجان غضب کے سبب سے تھوڑی دیر ساکت رہا اس کے بعد کہا کہ اگر شاہرخ یہ حرکت کرتا تو بیشک سزا پاتا۔ مگر میں ایسے شخص کا کچھ نہیں کرسکتا جس کا قلم ہر شہر و دیار کو میری تلوار سے پیشتر فتح کر چکا تھا۔ (شق ج ۱ ص ۹۵)

عمر و صفار والی خراسان امام خصاف سے کہا کرتا تھا کہ چچا اگر میں کوئی کام آپ کی مرضی کے خلاف کروں تو آپ میری گردن اڑا دیں۔ (تذ ج ۲ ص ۲۲۸)

مولانا علاء الدین جمالی نے ڈیڑھ سو افراد کی جان بچالی:

سلاطین عثمانیہ میں سلطان سلیم خان بڑے جلال اور ہیبت کا بادشاہ ہوا ہے۔ ایک موقع پر اس کو ملازمان خزانہ پر غصہ آ گیا اور ان میں سے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ مولانا علاء الدین جمالی ان دنوں قسطنطنیہ میں مفتی تھے انہوں نے جو یہ سخت حکم سنا تو ان بیکس ملازموں پر رحم آیا اور سلطان کو سمجھانے کیلئے وہ باب عالی کو تشریف لے گئے۔ قاعدہ یہ تھا کہ مفتی صدر بدوں کسی حادثۂ عظیم کے باب عالی کا قصد نہیں کرتا تھا۔ جب یہ ایوان وزراء میں داخل ہوئے تو سارے اہل دیوان حیران رہ گئے کہ خدا خیر کرے مفتی صاحب کیسے تشریف لائے۔ غرض حضور سلطانی میں ان کی

اطلاع ہوئی اور یہ اجازت ملی کہ تنہا آئیں ۔ یہ تنہا وہاں پہنچے اور سلام کر کے بیٹھ گئے ۔ بیٹھنے کے بعد سلسلہ تقریر یوں شروع کیا۔ جو علماء منصب فتویٰ رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ سلطان وقت کی آخرت درست رکھنے کی فکر رکھیں، میں نے سنا ہے کہ سلطان نے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دیا ہے حالانکہ شرعاً یہ تجویز ناجائز ہے، لہٰذا میں عفو سلطانی کی استدعا کرتا ہوں ۔ سلطان کو اپنے مفتی کی یہ مداخلت نہایت شاق اور ناگوار معلوم ہوئی اور قہر آلود ہو کر کہا کہ تم کو اپنی حد اختیار سے بڑھنا اور امور سلطنت میں دخل دینا نہیں چاہئے ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں معاملات سلطنت میں دخل نہیں دیتا بلکہ عاقبت سلطانی کی عافیت چاہتا ہوں اور میرا یہ فرض ہے ان **عفوت فلک النجاۃ والا فلک عقابٌ عظیم** . سلطان کے دل پر اس کلام کی جلالت اثر کر گئی اور غصہ فرو ہو گیا اور ان تمام ملازموں کی خطائیں معاف کر دیں ۔ جب مفتی ممدوح نے اٹھنے کا قصد کیا تو فرمایا کہ میں سلطان کی آخرت سے متعلق تو فرض منصبی ادا کر چکا، اب ایک بات شان سلطنت کی نسبت کہنا چاہتا ہوں ۔ سلطان نے پوچھا کہ وہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب بیچارے آپ کے غلام ہیں کیا یہ مناسب ہوگا کہ غلام شاہی ہو کر در بدر مانگتے پھریں ۔ سلطان نے فرمایا کہ نہیں ۔ انہوں نے کہا کہ ان کی جگہ پھر انہیں کو عطا فرمائی جائے ۔ سلطان نے از راہ مراحم خسروانہ اس کو بھی قبول کیا مگر یہ کہا کہ ان کو قصور کی سزا ضرور دی جائیگی ۔ مفتی ممدوح نے فرمایا کہ اس میں مجھ کو کچھ کلام نہیں ہے کیونکہ تعزیری سزا رائے سلطانی پر منحصر ہے ۔ اتنا کہہ کر سلام کیا اور گھر کو چلے آئے ۔ (شق ج ا ص ۳۲۴)

﴿ ملک پر اثر ﴾

اس بیان میں شاید کسی تمہید کی حاجت نہیں ہے علما کی جو عظمت ہمیشہ مسلمانوں کے دل میں رہی ہے اس کے کچھ نہ کچھ آثار پائے جاتے ہیں علمائے سلف کو جو مقبولیت عامہ خلق میں حاصل رہی ہے اور عموماً اہل ملک نے جس محبت اور ادب کی نظر سے ان کو دیکھا ہے اس کی کیفیت پڑھ کر ایک قسم کا تحیر پیدا ہوتا ہے۔ اگر صرف ان کے ہم مسلک اور ہم مذہب لوگ ان کی توقیر کرتے اور ان پر قربان ہوتے تو ہم یہ سمجھتے کہ مذہبی خیالات کا یہ سارا کرشمہ تھا۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مخالف فرقے اور یہود و نصارا ان کی تعظیم و محبت میں ایسے ہی سرگرم اور محو تھے جیسے خود ان کے ہم مشرب تو ہم کو یہ باور کرنا پڑتا ہے کہ محض مذہبی خیالات نہیں بلکہ علماء کے اخلاق و صفات کو اس فیاضی خیال اور وسعت نظر سے بہت ترقی ہوتی تھی جو عموماً ہم علمائے سلف میں پاتے ہیں اور یہ ان کی فیاضی کسی طبقے اور فرقے کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ عموماً بندگان خدا کے واسطے عام اور شامل تھی۔

عبداللہ بن مبارکؒ کیلئے لوگوں کا ہجوم:

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید کا لشکر شہر رقہ میں خیمہ زن تھا۔ اتفاقاً اسی موقع پر حضرت عبداللہ ابن مبارک امام حدیث کا گذر شہر مذکور میں ہوا۔ ان کے استقبال کے لیے لوگوں کا یہ ہجوم ہوا کہ سارے افق پر غبار چھا گیا اور کشمکش میں آدمیوں کی جوتیاں پارہ پارہ ہوگئیں۔ حرم سرائے خلافت کے چوبی برج سے خلیفہ کی ایک کنیز نے جو یہ ہنگامہ دیکھا تو حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کسی نے کہا کہ خراسان کے عالم

ابن مبارک اس شہر میں تشریف لائے ہیں ان کے لینے کے لئے مخلوق کا ہجوم ہو رہا ہے شوخ مزاج کنیز نے بیساختہ کہا کہ واللہ حکومت اس کو کہتے ہیں۔ ہارون کی کیا حکومت ہے جس کے لئے لوگ اہلکاروں کے زور اور دباؤ سے جمع ہوتے ہیں۔

امام بخاری کا استقبال:

امام بخاری جب دربار علم کے کمال کا خلعت پہن کر اپنے وطن بخارا کو آئے تو بخاریوں نے نہایت جوش کے ساتھ ان کے استقبال کا اہتمام کیا۔ شہر سے تین میل کے فاصلے پر خیمے ایستادہ کئے گئے اور تمام اہل بخارا ان کی پیشوائی کے واسطے آئے یہانتک کہ کوئی قابل ذکر آدمی شہر میں نہیں رہا، شہر میں انکے اہل وطن انکو اس شان سے لائے کہ روپے اور اشرفیاں ان کے سر پر سے نثار کی جاتی تھیں۔ ہمارے علوم کا دوسرا مرکز شہر نیشاپور بھی امام ممدوح کی تعظیم میں اپنے ہمسر بخارا سے پیچھے نہیں رہا۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ جب امام بخاری کے تشریف لانے کی خبر نیشاپوریوں نے سنی تو بعض نے دو منزل اور بعض نے تین منزل آگے جا کر ان کا استقبال کیا اور شہر میں جس شان سے وہ داخل ہوئے وہ شان میں نے کسی حاکم یا عالم کی آمد میں نہیں دیکھی۔

(مقدمہ ص ۵۸۱، ۵۷۸)

امام فیروزی کے ہمراہی میں چلنے والوں کی تعداد:

امام فیروزی جب ایک دینی کام کیلئے شہر بغداد سے چلے تو ایک جم غفیر نے ان کی مشایعت کا قصد کیا۔ انہوں نے ہر چند منع کیا لیکن جوش عقیدت میں کسی نے ممانعت کا لحاظ نہیں کیا سامرہ (شہر بغداد کا ایک حصہ) پہنچ کر جو ہمراہیوں کا اندازہ کیا

گیا تو پچاس ہزار آدمی تخمینے میں آئے۔ (تذ ج ۲ ص ۲۰۷)

ابواسحاق شیرازی کے ساتھ لوگوں کی عقیدت:

ایک مرتبہ شیخ ابوسحٰق شیرازی خلیفہ بغداد کی طرف سے ایک خدمت پر خراسان تشریف لے گئے تھے جب وہ نیشاپور سے معاودت کرنے لگے تو پیشوائے خراسان امام الحرمین نے سوار ہوتے وقت ان کے گھوڑے کی رکاب تھام لی۔ اس کا اثر تمام ملک خراسان میں یہ ہوا کہ شیخ ممدوح کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی مٹی تبرک کے طور پر اٹھائی اور آنکھوں سے لگائی گئی۔ (ابن ج ۲ ص ۱۲۴)

سفیان ابن عینیہ کو محدث بنانے والے امام اعظم تھے:

سفیان ابن عینیہ جب کوفے میں تشریف لائے اور امام اعظم نے ان کے آنے کی خبر سنی تو اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ تمہارے شہر میں عمرو ابن دینار کے علم کا حافظ آیا ہے۔ امام صاحب کے اس مختصر جملے نے سارے اہل کوفہ کے دل ابن عینیہ کی جانب مائل کر دیئے اور لوگ جوق در جوق ابن دنیار کی احادیث سننے کے لئے ان کی خدمت میں آنے لگے۔ اس وقت ابن عینیہ کی عمر بیس (۲۰) برس سے کم تھی وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مجھ کو اول محدث بنایا وہ ابوحنیفہ ہیں۔ (ابن ج ۱ ص ۲۱۱)

وفات کے بعد علماء کے ساتھ عوام کی عقیدت:

علما کے ساتھ عامہ خلائق کا یہ جوش عقیدت صرف ان کی زندگی تک محدود نہ تھا۔ ان کی وفات فرما جانے کے بعد بھی قائم رہتا تھا بلکہ بعد وفات اور زیادہ نمایاں ہوتا تھا۔ امام طاؤس تابعیؒ کا جنازہ جب اٹھایا گیا تو آدمیوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ

جنازہ کسی طرح نہ نکل سکا آخر حاکم وقت نے فوج بھیجی اور اس کے اہتمام سے جنازہ نکلا۔ خاندان نبوت کے چشم و چراغ حضرت عبداللہ ابن حسن (رضی اللہ عنہما) جنازے کو اٹھائے ہوئے تھے۔ لوگوں کی کشمکش سے ان کا لباس پارہ پارہ ہو گیا۔

(ابن ج ا ص ۲۳۳)

امام الحرمین نے جب وفات پائی تو تمام شہر نیشاپور کے بازاران کے ماتم میں بند ہو گئے اور جامع مسجد میں جس منبر پر وہ خطبہ پڑھا کرتے تھے وہ توڑ دیا گیا۔ (ابن ج ا ص ۲۸۸) اسی طرح جب امام ابو یعلی موصلی کا انتقال ہوا تو اکثر بازار شہر کے بند کر دئے گئے۔ (تذ ج ۲ ص ۲۷۵) اسی طرح ابو جعفر طبری کی قبر پر کئی مہینے تک شب و روز نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (تذ ج ۲ ص ۲۸۲) امام ابن ابی داؤد کے جنازے کی نماز اسی (۸۰) دفعہ ادا ہوئی۔ کل نمازیوں کا تخمینہ کیا گیا تو تین لاکھ ہوا۔

(تذ ج ا ص ۳۳۳)

مخالف فرقوں کی محبت ہمارے علماً کے ساتھ

امام ابو العلاے ہمدانی سے خوارزم کے لوگ جو عموماً معتزلی تھے نہایت محبت رکھتے تھے حالانکہ امام ممدوح کو اپنے مذہب حنبلی میں بہت شدت تھی۔ (تذ ج ۴ ص ۱۲۰) بغداد کے اہل سنت و جماعت اور شیعہ میں ایک بار تنازع ہوا تو فریقین نے امام ابن جوزی کو فیصلے کیلئے حکم قرار دیا۔ (ابن ج ا ص ۲۷۹) ایک زمانے میں دمشق کا حاکم جو شیعی تھا خطیب بغدادی سے برہم ہو گیا تھا۔ اس نے کوتوال شہر کو یہ ایما کر دیا کہ خطیب کسی حیلے سے قتل کر دئے جائیں۔ امام ممدوح کو جب اس سازش کی خبر ہوئی تو انہوں

نے شریف ابوالحسن کے مکان پر پناہ لی۔ جب کوتوال نے ان سے خطیب کو طلب کیا تو شریف موصوف نے فرمایا کہ خطیب کا قتل بالکل خلاف مصلحت ہے اگر وہ قتل کئے گئے تو یاد رکھو کہ عراق کے شیعوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ قتل ہو جائیگی۔

(تذ ج ۳ ص ۳۳۷)

﴿ غیر مسلموں کی علماء اسلام سے محبت ﴾

عباد ابن عوام ناقل ہیں کہ جب امام منصور تابعی کا جنازہ اٹھایا گیا تو میں حاضر تھا میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے علاوہ یہود اور نصاریٰ اپنے اپنے گروہ جدا جدا قائم کیے ہوئے ان کے جنازے کے ساتھ تھے۔ (تذ ج ا ص ۱۲۷)

امام ابو العلاء کبھی کبھی (ہمدان سے) اپنے وطن کو جمعہ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ جب وہ تشریف لے جاتے تو اہل شہر ان کی مشایعت کیلئے شہر سے باہر کھڑے ہو جاتے۔ ایک جماعت مسلمانوں کی ہوتی اور ایک گروہ یہودیوں کا جب ان کو دیکھتے تو دونوں فریق دعا دیتے۔ (تذ ج ۴ ص ۱۲۰)

ابوالفتح کمال الدین شافعی کے پاس یہود اور نصارا توراۃ اور انجیل پڑھنے آیا کرتے تھے۔ فقیہ ممدوح نے ان کے ماننے والوں کی خاطر ان دونوں کتابوں کی شرح لکھی تھی۔ (ابن ج ۲ ص ۱۳۴)

امین الدولہ ابن تلمیذ بغداد کے مشہور عیسائی طبیب کا مکان شہرہ روزگار مدرسہ نظامیہ کے پڑوس میں تھا۔ جب کوئی طالب علم مدرسہ مذکور کا بیمار ہوتا تو یہ نیک دل طبیب اس کو اپنے مکان پر لے آتا۔ اس کا علاج کرتا اور ہر قسم کی آسائش کی خبر

رکھتا اور بعد صحت پھر مدرسے میں پہنچا دیتا۔ طبیب موصوف کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب نفس اور شرافت خصلت میں وہ بے نظیر تھا۔ جب اس نے وفات پائی تو (ابن خلکان کہتے ہیں) کہ شہر بغداد کے دونوں حصوں میں کوئی قابل ذکر شخص ایسا نہ تھا جو اس کے جنازے کے ساتھ گرجے میں نہ آیا ہو۔ (ابن ج ۲ ص ۱۹۳)

﴿ علماء کی معاشرت کے متعلق مزید حالات ﴾

ان کا لباس:

عرب کا ایک مشہور مقولہ ہے **الناس باللباس**. علمائے کرام جو باطنی خوبیوں سے آراستہ تھے ان کے حالات شاہد ہیں کہ ظاہری صفائی اور پاکیزگی کی جانب سے بھی ان کو بے توجہی نہ تھی۔

امام مالک کی خوش لباسی:

امام دار الہجرۃ حضرت مالک لباس نہایت پاکیزہ اور قیمتی پہنتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے اپنے شہر (مدینہ طیبہ) کے جتنے فقہا دیکھے سب کو خوش پوشاک دیکھا امام ممدوح جس مکان میں نشست فرماتے تھے وہ نہایت پاک صاف رہتا تھا۔ اس میں چاروں طرف مسندیں بچھی رہتی تھیں اور ہر مسند پر جدا جدا پنکھے مہیا رہتے۔ ان کے مجلس کا یہ داب تھا کہ کوئی بلند آواز سے بات نہ کرتا۔ (تذ ج ۱ ص ۱۹۱)

امام ابوحنیفہ کی چادر، قمیص اور عطر:

امام ابوحنیفہ بھی خوش لباس تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک ان کی نسبت فرماتے ہیں **کان حسن الوجه والثیاب**. ایک دفعہ ان کی ایک چادر کا تخمینہ کیا

گیا تو تیس (۳۰) اشرفی ہوا اور ایک دوسرے موقع پر ان کے پیراہن اور چادر کا اندازہ کیا گیا تو چار سو درہم ہوا۔ حماد ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد اس قدر خوشبو کا استعمال کرتے تھے کہ جب وہ کہیں جاتے تو لوگ خوشبو کی وجہ سے پہلے ہی سمجھ جاتے کہ امام اعظم آرہے ہیں۔ (خیرات حسان: ص ۲۲، ۶۱)

دین کی عزت کی خاطر فاخرانہ لباس:

شیخ الاسلام ہروی جن کا زہد مشہور ہے جب باہر تشریف لاتے تو لباس فاخرہ ان کے جسم پر ہوتا اور بیش قیمت گھوڑا ان کے نیچے اور فرمایا کرتے تھے کہ اَفْعلُ ھٰذا اعزازًا الدّین یعنی میں یہ اظہار حشمت دین کے معزز کرنے کے واسطے کرتا ہوں۔

(تذ ج ۲ ص ۳۸۱)

جسمانی ریاضت:

ہم نے اس تحریر میں بعض عنوان ایسے قائم کئے ہیں جو نظر بحالات موجودہ علمائے کرام کے ذکر میں اجنبی بلکہ بے محل معلوم ہوتے ہیں انہیں میں سے غالبًا یہ سرخی بھی ہے۔ ہمارے قدیم مدارس میں جسمانی ریاضت کا منزلوں پتا نہیں ہے برخلاف ان کے مدارس جدیدہ تعلیم علوم کے برابر اس کو بھی مہتم بالشان خیال کرتے ہیں۔ ان دونوں حالتوں کے دو مختلف اثر پیدا ہوئے ہیں۔ نئی روشنی کے لوگ تو اس کو ترقی جدید کے ایک جلوہ سمجھ رہے ہیں۔ پرانے فیشن کے بزرگ اس کو داخل لہو لعب اور وثاقت ومتانت کے خلاف تصور فرما رہے ہیں تاریخی عدالت سے یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ دونوں خیال واقعیت سے دور ہیں۔ اہل علم میں جسمانی ریاضت کا اہتمام نہ تہذیب جدید کا

نتیجہ ہے اور نہ خلاف متانت و وقار ہے۔صد ہا برس گزرے جب بھی ہمارے علما مردانہ ورزشوں کے پابند تھے اور جو لوگ پیشوائے امت مانے گئے ہیں انہوں نے اس کی طرف خاص توجہ فرمائی ہے۔لہٰذا اس طریقے کو نہ جدید کہہ سکتے ہیں اور نہ خلاف شانِ علما۔علماء کے حالات ایک طرف۔ تیراندازی اور گھوڑے کی سواری کی مشق کی تاکید حضرت سرور کائنات ﷺ نے فرمائی ہے اور صحیح بخاری میں اس گھوڑ دوڑ کا ذکر ہے جس کا اہتمام آپ نے بہ نفس نفیس فرمایا تھا اور جس میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک گھوڑے پر سوار تھے اور اس اونٹوں کی دوڑ کا ذکر ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی سواری کی اونٹنی دوڑی تھی۔

علماء کیلئے جسمانی ریاضت کی ضرورت:

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی ریاضت ہمارے اہل علم کا خاص شعار ہونا چاہئے۔اس رسالے کی تحریر کے لئے جو کتابیں میں نے دیکھیں ان سے ثابت ہوا کہ علمائے سلف کی عمریں عموماً بڑی ہوئی ہیں اور اخیر (علامہ عینی نے ہدایہ کی شرح بنایہ جب لکھی ہے تو ان کا سن نوے برس سے تجاوز کر چکا تھا کتاب مذکور کے خاتمے میں انہوں نے اس امر کی تشریح کی ہے اور فرمایا کہ اس شرح کے لکھنے کا اتفاق اکثر شب کو ہوا۔) عمر تک ان کے قویٰ کام دیتے رہے ہیں۔یہ حقیقۃً اسی ریاضت کا کرشمہ تھا جس کے وہ عادی تھے ورنہ اس زمانے کی طرح ضعف دماغ اور جسمانی کمزوری اس زمانے کے علما کی بھی خاص علامت قرار پاتی۔

امام ابن عون تابعی کی گھوڑ سواری:

امام ابن عون تابعیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کو گھوڑے کی سواری کا شوق تھا۔ایک مرتبہ انہوں نے گورخر میدان میں گھیر کر مارا تھا۔(تذج اص ۱۴۰) گورخر کی چالاکی مشہور ہے اس کو میدان میں گھیرنا اور تلوار نیزہ یا تیر سے شکار کرنا بہت دشوار ہے اس واقعے سے امام ممدوح کی اعلیٰ درجے کی شہسواری اور فنون شکار سے پوری واقفیت کا نشان ملتا ہے۔امام شافعی نے تیراندازی میں وہ ملکہ حاصل کیا تھا کہ قریش میں ان کا ثانی نہ تھا اور یہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ ان کے دس تیر دس نشانے اڑا دیتے تھے۔(تذج اص۲۳۱)

امام بخاری کو تیراندازی کا شوق:

امام بخاری کو بھی تیراندازی کا خاص شوق تھا اور اکثر گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے باہر اس کی مشق کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔ان کا ہاتھ بھی ایسا سچا ہو گیا تھا کہ کم تیر خطا جاتے۔(مقدمہ ص۵۶۶)

ابوالقاسم شافعی علوم وفنون میں مہارت کے ساتھ بہترین گھوڑ سوار:

علامہ ابوالقاسم شافعی کی نسبت ابن خلکان لکھتے ہیں **کان علامة فی الفقه والتفسیر والحدیث والاصول والادب والشعر و علم التصوف جمع بین الشریعة والحقیقة** جولوگ ابن خلکان کی پر احتیاط روشِ تحریر سے واقف ہیں وہ میرے اس بیان کی تصدیق کریں گے کہ مورخ مذکور نے یہ الفاظ محض گرمی سخن اور آرائش بیان کے واسطے نہیں لکھے ہوں گے بلکہ واقعات نے یہ الفاظ ان کے قلم سے

لکھوائے ہوں گے ہم کو اس بیان پر یہ بیان کرنا ہے کہ علامہ ممدوح کو اتنے علوم میں کمال پیدا کرنے کے ولولے میں جسمانی ورزش اور فنون ریاضت کی طرف سے بے توجہی نہیں ہوئی اور ان مشاغل عالیہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے گھوڑے کی سواری اور مردانہ فنون میں وہ مشق بہم پہنچائی کہ ان کی چابک سواری اور استعمال اسلحہ کی مہارت مرتبہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ (ابن ج ا ص ۳۰۰)

اپنا کام خود کرنا:

جو لوگ اپنا کام خود کرتے ہیں ان کو اپنی ذات پر بھروسہ اور اعتماد ہوتا ہے۔ اور اسی اعتماد نے دنیا میں بڑے بڑے کرشمے دکھلائے ہیں جو لوگ اپنا کام خود نہیں کرتے ان کے دل میں ایک قسم کی بزدلی پیدا ہوتی ہے اور یہ بزدلی انسانی حوصلے اور عزم کا بالکل ستیاناس کر دیتی ہے۔ حضرت سرور کائنات کے حالات مبارک میں لکھا ہے کہ حضور اپنا کام خود دست مبارک سے فرمایا کرتے تھے بکریوں کا دودھ آپ دوہ لیتے، پھٹا کپڑا خود سی لیتے، نعلین مبارک ٹوٹ جاتیں تو انکو اپنے ہی ہاتھ سے گانٹھ لیتے غرض اپنے کام کیلئے دوسروں کو کم تکلیف دیتے۔ آپ کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے آپ کی خدمت اس قدر نہیں کی جتنے آپ نے میرے کام فرمادیئے۔

اناسی برس کی عمر میں بھی اتنی خوداری:

علمائے سلف کے حالات شاہد ہیں کہ انہوں نے اپنے پیشوائے ملت (روحی فداہ) سے یہ سبق بھی حاصل کیا تھا اور جو قویٰ خداوند تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے تھے

ان کا پورا شکر بجالاتے تھے۔ امام ابن طاہر جب فن حدیث کی تحصیل کے لئے امام حبال کی خدمت میں حاضر ہونے چلے تو لوگوں نے ان کو جتادیا کہ امام موصوف بازار سے اپنا کام خود کرلاتے ہیں وہاں بھی ان کو تلاش کر لینا چنانچہ جب یہ ان کے شہر میں وارد ہوئے تو اول بازاروں میں گشت لگایا۔ تلاش کرتے کرتے ان کی امام حبال ایک عطار کی دکان پر اس ہیت سے ملے کہ دامن میں وہ تمام ضرورت کی چیزیں بھری ہوئی تھیں جو وہ بازار سے خرید کرلائے تھے اس واقعے کی قدر اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام ممدوح کی عمر اس زمانے میں اناسی برس کی تھی۔

(تذج ا ص ۳۸۵)

ابوالاسود دؤلی کی ہمت:

ابوالاسود ولی واضع فن نحو پر اخیر عمر میں فالج گرا تھا اور اس کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں ماؤف ہوگئے تھے اس معذوری کی حالت میں بھی وہ ہر روز پاؤں گھسیٹتے ہوئے بازار کو جاتے اور اپنا کام کرلاتے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ضرورت ان کی اس تکلیف کرنے پر مجبور کرتی تھی کیونکہ ابوالاسود بہت آسودہ تھے اور بہت سے خادم ان کی سرکار میں حاضر رہتے۔ ایک روز کسی نے ان سے ازراہ تعجب دریافت کیا کہ اس قدر خادموں کے ہوتے ہوئے یہ شاقہ مصیبت ہر روز کیوں برداشت کی جاتی ہے اس ادیب نے یہ بے مثل جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ اس آمد شد میں اتنا نفع ہے کہ جب میں گھر میں لوٹ آتا ہوں تو لڑکے بھی کہتے ہیں کہ آ گئے لونڈیاں بھی کہتی ہیں کہ آ گئے اگر میں گھر میں پا شکستہ ہوکر پڑا رہوں تو بکریاں مجھ پر پیشاب بھی کریں تو بھی کوئی خبر

نہ ہو۔(ابن ج ا ص ۲۴۱)

یہ مقولہ عجب حکمت انگیز ہے اور شخصی حالت سے لے کر قومی حالت تک یکساں مؤثر ہے۔ دنیا میں جو کچھ گرمی ہنگامہ ہے وہ سب حرکت کا نتیجہ ہے اور سکون ملکوں اور قوموں کی رونق کو درہم برہم کرنے والا ہے جو قومیں ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھتی ہیں وہ پامالی کے سوا اور کسی چیز کی توقع اس عالم میں نہیں رکھتی ہیں۔ امام بخاریؒ نے شہر بخارا کے باہر ایک مہمان سرا بنوائی تھی اس کی تعمیر کے وقت جو مزدور معماروں کو اینٹیں پہنچاتے تھے ان میں خود امام بخاری بھی شامل تھے۔ یہ امام ربانی اپنے سر پر اینٹیں رکھ کر لے جاتے اور راجوں کو دیتے۔ ایک شاگرد نے از راہ دلسوزی ایک روز عرض کی کہ آپ کو اس محنت کی کیا ضرورت ہے امام ممدوح نے فرمایا کہ **هذا الذی ینفعنی.**

نفعنا اللّٰه تعالیٰ باتباع السلف الصالحین.

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین.

☆☆☆

﴿ نابیناعلماء ﴾

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ستائش کنم ایزدِ پاک را کہ دلناؤ بینا کند خاک را

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْاَمِیْنِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ .

دنیامیں آنکھیں بہت بڑی نعمت ہیں ان سے محرومی ہوجانا قدرت کے ایک بیش بہا عطیہ سے محروم ہوجانا ہے جن کی بینائی جاتی رہتی ہے وہ عام طور پر عضو معطل خیال کر لئے جاتے ہیں اوران کی نسبت یہ مان لیا جاتا ہے کہ وہ کسی کام کے نہیں ہیں وہ خود بھی اپنے آپ کو ایسا ہی سمجھنے لگتے ہیں مگر ایسا خیال کر لینا ان بیش بہا قوتوں کی ناشکری ہے جو خداوند عالم نے علاوہ آنکھوں کے انسان کو بخشی ہیں۔

آنکھ ایک مخبر ہے:

آنکھ دماغ کے بہت سے مخبروں میں سے ایک مخبر ہے ایک مخبر کے کام آجانے سے سردار کیوں بیکار تسلیم کرلیا جائے۔آنکھ بہت سے اعضامیں سے ایک عضو ہے وہ جاتی رہے تو یہ کیوں تصور کیا جائے کہ سب اعضا نکمے ہوگئے یہ سمجھنا بے شک ٹھیک ہے کہ ایک نہایت نفیس وعزیز عضو جاتا رہا۔مگراس کے جانے کے بعداور سارے قوائے عقلی کو بیکار کردینا نکموں کا کام ہے۔نابیناؤں کو دیکھ کر ہرایک کورحم آتا ہے۔مگر

یہ عبرت کم ہوتی ہے کہ ہم اپنی آنکھوں کی قدر کریں اور ان سے اعلیٰ خدمت لیں۔

دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشہ دیکھے:

یورپ میں اس زمانہ میں ترقی کے میدان میں اندھوں کی تعلیم بھی تیز قدمی دکھا رہی ہے انگلستان میں ایک عظیم الشان مدرسہ بمقام سس کانج نابیناؤں کی تعلیم کے واسطے قائم ہے۔ وہاں کے بابصیرت نابینا پڑھنے والوں اور ان کی تعلیم کے حالات پڑھ کر حیرت اور حیرت کے ساتھ عبرت ہوتی ہے۔قدرت کی فیاضی کا سبق حاصل ہوتا ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کسی سے کوئی نعمت سلب فرمالیتا ہے تو اس کی تلافی دوسری طرح فرمادی جاتی ہے۔اس مدرسہ کے اندر جس وقت انسان داخل ہوتا ہے درودیوار سے بزبان حال یہ صدا آتی ہے۔

ہے عجب سیر اگر دیدہ بینا دیکھے دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

کسی طرف لڑکے کرکٹ کھیلتے ہوئے نظر آتے ہیں کسی طرف لڑکیاں ترتیب وصفائی سے نصف دائرہ کی شکل میں بیٹھی ہوئی ہیں ان کے مقابل استانی بیٹھی کوئی دلچسپ قصہ سنا رہی ہے لڑکیوں کے دل بشاش ہیں اور چہرے شگفتہ فرط مسرت سے قہقہے لگاتی ہیں موقع موقع سے بحث کرتی جاتی ہیں اس مدرسے کے طلبا کتابیں پڑھتے ہیں لکھتے ہیں علاوہ پڑھنے لکھنے کے لڑکیاں سلائی،اون کی بناوٹ،ڈورے بنانا اور کرسی وغیرہ بننے کا کام سیکھتی ہیں مرد بینت کی ٹوکریاں،بکس وغیرہ بنانا سیکھتے ہیں اور اس طرح اپنی معاش اپنی قوتِ بازو سے پیدا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔مدرسہ میں جا بجا تختیاں آویزاں ہیں اور اُن پر بتاکید یہ ہدایت ہے کہ آنے والے اندھے کا لفظیا

وہاں کے طلبا کی بیکسی کی نسبت کوئی کلمہ منہ سے نہ نکالیں تا کہ اُن کے دل پژمردہ نہ ہوں۔آپ کو حیرت ہوگی کہ اندھے کتاب کس طرح پڑھتے ہیں۔طریقہ یہ ہے کہ ایک قسم کا ٹائپ ایجاد کیا گیا ہے جس کے حروف کاغذ پر اُبھر آتے ہیں اور انگلیوں سے محسوس ہونے لگتے ہیں حروف تہجی کو زیادہ سادہ کرنے کے لئے حرفوں کی معمولی شکل چھوڑ کر ایسے حروف ایجاد کئے گئے ہیں جو نقطوں کی مختلف ہیئتوں سے بنتے ہیں یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ اس طریقہ کو فرانس کے اندھے نے ایجاد کیا ہے مدرسہ مذکور میں انجیل وغیرہ بہت سی کتابیں اندھوں نے چھاپی ہیں۔اور سُنیے اندھے ایک ماہوار رسالہ نکالتے ہیں اس کے ایڈیٹر، نامہ نگار، چھاپنے والے غرض سارے کارگزار اور خریدار نابینا ہیں۔اس رسالہ میں ایک مضمون کوہستانی منظر پر چھپا تھا پیرایہ بیان ایسا پاکیزہ ہے کہ تصویر بن گیا ہے بطور نمونہ تھوڑا سا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

''ممالک یورپ میں بہت سے خوشنما کوہستانی سلسلے ہیں۔مگر شاید سب سے بہتر ایلپس اور پائرینس ہیں۔آخر الذکر فرانس اور اسپین کے مابین واقع ہے اُس کا منظر نہایت دلفریب ہے سر بفلک چوٹیاں برف کے اُن ٹھنڈے جبون سے ڈھکی ہوئی ہیں جن کے کناروں پر چیڑ، شاہ بلوط، اخروٹ وغیرہ کے وسیع جنگلوں کی سبز گوٹ لگی ہوئی ہے یہ کوہسار اگرچہ نہایت جانفزا ہے لیکن ایلپس کی عظمت و جبروت کے آگے کچھ ہستی نہیں رکھتا۔سیاحوں نے علم وادب کے ذریعہ سے اُن حیرت خیز مناظر کا حال ہم تک پہنچایا ہے جو دورانِ سیاحت میں اُنہوں نے ان پہاڑوں کی بلندیوں پر دیکھے۔صبح کے وقت اس کوہسار کا عجب عالم ہوتا ہے وہ نظارہ کیسا باعظمت ہوتا ہے جبکہ چوٹی کے بعد چوٹی نکلتے ہوئے سورج کی کرنوں سے چمک اٹھتی ہے اور نیچے کے

درّے سایہ کی چادر میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں رفتہ رفتہ یہ آب وتاب ترقی کرتی جاتی ہے اور برفانی حصّوں کے سرآبدار ہیروں کے تاج سے مزین ہو جاتے ہیں جو عالم سکوت کے ان بادشاہوں کے سروں کے شایان ہے''۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اندھوں کے دماغوں میں پہاڑوں کی صحیح ہیئت کا تصور کیونکر قائم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کاروان استاد کھریا مٹی کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بناتے ہیں اور شاگرد اُن کو ٹٹولتے ہیں۔ جب قوتِ لامسہ کی مدد سے پہاڑیوں کی شکل دماغ میں منقّش ہو جاتی ہے تو وہ پہاڑیاں بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور کثرت مشق کے بعد نقلی پہاڑیاں بنانے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو صحیح تصوّر مختلف اشیا کا ان نابینا طلبا کے ذہن میں ہوتا ہے اُس کا یہ ناقص ذریعہ ہے جو اوپر بیان ہوا۔ خود اِس مدرسہ کے لائق وتجربہ کار اُستاد اس سوال کے کما حقہ، حل کرنے سے عاجز ہیں کہ جب طالب علموں نے کسی مکان، گھوڑے، درخت یا خود اپنے ابنائے جنس کو نہیں دیکھا تو پھر کس طرح اُن کے ذہن میں ان کتابوں کا صحیح مفہوم پورے طور پر آجاتا ہے جن میں اُن کا ذکر ہوتا ہے اور کیوں کر وہ روز مرّہ کے مباحث پر ٹھیک واقفیت وصحت کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہیں۔ اُن اُستادوں کی رائے کا رجحان اِس طرف ہے کہ اگر چہ بہت سا علم نابینا لوگ قوتِ لامسہ کے ذریعہ سے حاصل کر لیتے ہیں مگر اِس قدر علم اُن کے تمام تخیلات کی بنا نہیں ہوسکتا۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص اِس گروہ کو کوئی مادہ فہم ایسا عطا ہوا ہے جو بدون وسیلہ حواس ظاہر علم حاصل کر لیتا ہے۔ ان نابینا طلبا کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ٹوکریوں، بکس اور اُن کے بنے ہوئے سامان کی تصویریں دیکھئے تو اُن کی موزونی، خوبصورتی اور باریکی وتکمیل سے عقل حیران ہوتی

ہے کہ بدوں دیکھے ہوئے وہ کیونکر بنائے گئے اور کس طرح اُن کی پیچیدہ ہیئتوں کی تکمیل کا حق ادا ہوا۔

اندھوں کی تعلیم کوئی جدید ایجاد نہیں:

اندھوں کی تعلیم کوئی جدید ایجاد نہیں ہے تاریخ خبر دیتی ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کے دور میں نابینا بھی علمی کمالات سے مالا مال تھے۔ یورپ کے پڑھے ہوئے اندھوں پر اُن کو یہ فوقیت تھی کہ اُن کے لئے تحصیل علم کے ایسے آسان ذرائع مہیا نہ تھے جیسے آج کل ہیں۔ وہ شوقِ تکمیل میں دور دراز ممالک کا سفر کرتے تھے، اساتذہ فن کی خدمت میں منزلیں طے کر کے حاضر ہوتے تھے اِس زمانہ میں کاریگری وصنعت نے جو ترقی کی ہے وہ اگلے زمانہ میں نہ تھی اور اِس لئے وہ ذریعے نابیناؤں کی تعلیم کے یقیناً نہ تھے جو اب ہیں تاہم دقیقہ سنج اُستاد اپنے شاگردوں کے ذہن صحیح معلومات سے معمور کر دیتے تھے۔

اقلیدس کی شکلیں اندھے کو کیسے معلوم ہوئی:

اس زمانہ کے ایک نابینا مسلمان عالم سے (جو علاوہ علوم عربیہ کے فاضل ہونے کے باکمال طبیب بھی ہیں) سوال کیا گیا کہ آپ کو اقلیدس کی شکلوں کی ہیئت کذائی کیونکر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میرے اُستاد نے میری پشت کو سلیٹ اور اپنی انگلی کو قلم بنالیا تھا۔ دائرہ مثلث وغیرہ کی شکل وہ اپنی انگلی سے میری پشت پر کھینچ دیتے تھے اور اس ذریعہ سے اشکال کی ہیئتِ خاص میرے ذہن میں آجاتی تھی۔

بینائی کی قوت سے کام نہ لینا کفران نعمت ہے:

تاریخ ابن خلکان، تذکرۃ الحفاظ، امام ذہبی، نزہتہ الالباء علامہ ابن انباری کی مدد سے مسلمان نابینا فضلاء کے حالات میں نے اِس مختصر رسالہ میں جمع کئے ہیں۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ علم تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، فرائض، حساب وغیرہ علوم نقلی وعقلی میں نابینا کامل گزرے ہیں بعض افراد ان میں مثلاً حضرت قتادہ، ابو العلاء معّری، بشار اپنے اپنے فن میں ایسے باکمال ہوئے ہیں کہ بینا علما میں اُن کی نظیر مشکل سے نظر آئیگی۔ انہوں نے بڑے پایہ کی کتابیں تصنیف کیں اُن کے حلقہ درس میں بڑے بڑے نامور علما پیدا ہوئے۔ حیف اے اہل اسلام اب ہم میں آنکھوں والے اس نعمت کی قدر نہیں کرتے جس کو اگلے نابینا تک آنکھوں سے لگائے ہوئے تھے۔ کاش اُن نابیناؤں کے حالات دیکھ کر ہماری آنکھیں کھلیں، عبرت حاصل ہو اور سوچیں کہ خداوند تعالےٰ کی عطا کی ہوئی قوتوں سے کام نہ لینا سخت کفرانِ نعمت ہے۔ اور جس روز نعمتوں کا حساب ہوگا اُس روز ہم کیا جواب دیں گے۔

میری دلی آرزو ہے کہ یہ مختصر رسالہ دلوں میں اثر کرے اور ''آئینہ داری درمحلّہ کوران'' کا مصداق نہ ٹھہرے۔

وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی .

خاکسار

محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی

بھیکن پور ضلع علی گڑھ

غرۂ رجب المرجب ۱۳۱۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) حضرت قتادہ :

ابو الخطاب کنیت وطن بصرہ ۶۰ھ میں پیدا ہوئے جلیل القدر تابعی اور بڑے پایہ کے مفسر تھے۔ تفسیر کے علاوہ حدیث، علم انساب، تاریخ عرب اور علم ادب و لغت میں اُن کی جلالت شان اور کمال مسلّم ہے۔ ابوعبیدہ کا بیان ہے کہ کوئی دن ایسا نہ ہوتا کہ خلیفہ دمشق کے دربار کا شتر سوار اُن کے دروازہ پر مذکورۂ بالا علوم کے متعلق کوئی بات دریافت کرنے نہ آتا ہو۔ سعید ابن المسیّبؒ کے شاگرد ہیں۔ جب اُن کی خدمت میں پڑھنا شروع کیا تو اِس کوشش وجد کے ساتھ علم حاصل کرتے تھے کہ ابن المسیّبؒ گھبرا اُٹھے اور تیسرے روز فرمانے لگے اے اندھے تو یہاں سے نکل تو نے مجھ کو نچوڑ لیا۔ اُن کا قول ہے کہ میں نے کسی محدث سے حدیث دوبارہ سنانے کی فرمائش نہیں کی اور جو بات میرے کان میں ایک دفعہ پڑ گئی حافظہ میں محفوظ ہوگئی۔ امام ابن حنبلؒ نے اُن کی نسبت فرمایا ہے کہ تفسیر و اختلافی مسائل کے سب سے زیادہ عالم ہیں امام ممدوح نے اُن کی فقاہت کی بھی تعریف فرمائی ہے۔ بصرہ کے بلند و پست حصوں میں بے تکلف بغیر رہبر کے پھرتے تھے۔ ایک روز پھرتے پھرتے ایک مسجد میں پہنچے وہاں ابن عبیدہ وغیرہ بیٹھے تھے۔ اتفاقاً اُسی وقت اُن لوگوں نے حضرت حسن بصری کا حلقہ چھوڑ کر اپنا حلقہ جدا قائم کیا تھا۔ اُن کی آواز سُن کر قتادہ سمجھے کہ حسن بصری کا حلقہ ہے قریب آئے تو اصلی حال معلوم ہوا بیساختہ زبان سے نکلا ھٰؤُلَآءِ المعتزلة اس روز سے گروہِ مذکور کا یہی لقب ہوگیا۔ ۱۱۸ھ ہجری میں شہر واسط میں

مبتلائے طاعون ہوکر رحلت فرمائی۔

(۲) شاعر مشہور بشار:

ابو معاذ کنیت تھی۔اصل میں ایرانی تھے۔نابینا پیدا ہوئے۔آنکھوں کے حلقے سوجھے ہوئے اور سرخ۔بلند بالا،خوب توانا اور فربہ،چہرہ پر کثرت سے چیچک کے داغ۔یہ حلیہ تھا جو شعراء اسلام کے بعد پیدا ہوئے اُن میں اول درجہ کے شاعر ہیں خلیفہ بغداد مہدی کے مدّاحوں میں تھے مہدی کے زمانہ میں زندقہ کا بڑا زور تھا اور دربارِ خلافت پوری قوت سے اُس کو دبا رہا تھا۔اُن پر بھی یہ الزام لگایا گیا اور سزا میں ستّر درّے کا حکم ہوا۔زندہ دل شاعر اس سخت سزا کو برداشت نہ کرسکا اور اسی صدمہ سے جان دی۔یہ ۱۶۸ھ کا واقعہ ہے۔عمر نوے برس سے زائد تھی بعض عزیزوں نے لاش لے جاکر بصرہ میں دفن کردی۔اُن کی یہ رائے بیان کی جاتی ہے کہ آگ خاک سے بہتر ہے لہٰذا ابلیس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا تو اچھا کیا۔اس مضمون کا ایک شعر بھی ان کی طرف منسوب ہے ؎

اَلْاَرْضُ مُظْلِمَةٌ وَّ النَّارُ مُشْرِقَةٌ وَالنَّارُ مَعْبُوْدَةٌ مُذْ کَانَتِ النَّارٌ

مگر معلوم یہ ہوتا ہے دشمنوں نے بے چارہ کو تباہ کرنے کے لئے یہ مضمون ایجاد کیا تھا اور اس کی متعدد دلیلیں ہیں۔ابن خلکان نے یہ قول نقل کیا ہے کہ بشار کی کتابیں چھانی گئیں مگر یہ مضمون کہیں نظر نہیں پڑا۔دوسرے یہ کہ اُن کی کتاب پر لکھا ہوا تھا کہ میں نے حضرت عباس کے پڑپوتے مسلمان اولاد کی ہجو لکھنے کا ارادہ کیا تھا،لیکن مجھ کو اُن کی قرابتِ رسالت کے خیال نے اس ارادہ سے باز رکھا۔

جس شاعر کے دل پر خاندانِ نبوّت کا ادب ایسا حاوی ہو کہ وہ اس کی ہجو کے ارادہ کو پست کر دے وہ زندقہ کی جانب مائل نہیں ہو سکتا۔ سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ علامہ طبری نے ان کی تعزیر کی وجہ یہ لکھی ہے کہ بشار نے مہدی کے وزیر کی ہجو کی تھی وزیر نے خلیفہ سے یہ جالگایا کہ بشار نے آپ کی ہجو کہی ہے مہدی نے بگڑ کر پوچھا کیا ہجو کہی ہے؟ وزیر نے جان کی امان لے کر دو شعر پڑھ دیئے حکم ہُوا کہ بشار حاضر کیا جائے وزیر کو کھٹکا ہوا کہ ایسا نہ ہو بشار آئے اور مدحیہ اشعار پڑھ کر جان بخشی کرالے اور موقع ہاتھ سے جاتا رہے اس برہمی کو غنیمت سمجھ کر بشار کو دریا میں ڈلوا دیا۔ بشار کا کلام بہت مشہور ہے۔ تغزل میں یہ شعر مشہور ہے۔

هَلْ تَعْلَمِيْنَ وَرَاءَ الْحُبِّ مَنْزِلَةً تُدْ نِيْ اِلَيْکَ فَاِنَّ الْحُبَّ اَقْصَانِيْ

شعر ذیل کی نسبت ابن خلکان کہتے ہیں کہ شعرائے مولدین نے غزل میں اُس سے بہتر شعر نہیں کہا۔

اَنَا وَاللّٰهِ اَشْتَهِيْ سِحْرَ عَيْنَيْکَ وَاَخْشٰی مَصَارِعَ الْعُشَّاقِ

(۳) فقیہ شافعی زبیر بصری:

اپنے عصر میں اہل بصرہ کے پیشوا، فقہ شافعی کے حافظ، ادب میں صاحبِ دستگاہ اور بصرہ میں مدرس تھے۔ دار السّلام بغداد میں بھی رہے اور حدیث پڑھائی۔ بہت سے لوگوں نے اُن سے حدیث روایت کی ہے۔ صحیح الروایہ اور ثقہ تھے فقہ میں کافی، کتاب النية، کتاب ستر العورة، کتاب الهداية، کتاب الاستشاره والاستخاره، کتاب افاضة المتعلم و کتاب الامارة وغیرہ

بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ ۳۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۴) ابومعاویہ:

محمد نام، کوفہ وطن، ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اعمشؒ اور ان کے ہم طبقہ علماء سے علم حدیث حاصل کیا بیس برس اعمشؒ کی صحبت میں رہے اُن کا قول ہے کہ میرے آنکھوں والے ہم سبق اعمشؒ کی درسگاہ سے اٹھکر میرے ساتھ مکان پر آتے اور میں ان کو اپنی یاد سے وہ حدیثیں لکھوا دیتا جو شیخ کے یہاں سنی ہوتیں خلیفہ ہارون الرشید اُن کے ساتھ بہت تعظیم وتکریم سے پیش آتا۔

امام ابن حنبلؒ، یحیٰی ابن معین اور ائمہ حدیث اُن کے شاگردوں کے زمرہ میں ہیں۔ اُن کی جلالتِ شان اس سے معلوم ہوتی ہے کہ جب شعبہ ان کی موجودگی میں اعمشؒ کی احادیث کی روایت کرتے تو ان سے پوچھتے جاتے کہ اِسی طرح ہے جس طرح میں نے روایت کی۔ حافظ قرآن بھی تھے ابن مدینی نے ڈیڑھ ہزار حدیثیں اُن سے روایت کیں۔

(۵) سہل ابن بکار:

ابو بشر کنیت، بصرہ کے رہنے والے تھے امام شعبہ وغیرہ بہت سے شیوخ حدیث سے اس علم کو حاصل کیا۔ ابوزرعہ وابومسلم وغیرہ حدیث کے مشاہیر اُن کے شاگردوں میں تھے۔ ابوحاتم نے اُن کو ثقہ بتایا ہے۔ ۲۲۷ھ میں وفات پائی۔

(۶) محمد ابن منہال محدث:

ابوجعفر کنیت۔ بصری ہیں۔ ابوعوانہ اور اُن کے طبقہ کے شیوخ سے حدیث

کی روایت کی ۔امام بخاری و مسلم وابو داؤد و ابو یعلیٰ وغیرہ ان کے شاگرد ہیں ۔ بلند مرتبہ امام تھے۔روایت بالکل اپنے حفظ کے بل پر کرتے تھے ائمہ فن نے اُن کی توثیق کی ہے کوئی کتاب مدد کے لئے ان کے یہاں نہیں رہتی تھی ۔ کسی نے پوچھا کہ کوئی کتاب آپ کے پاس ہے کہا ہاں میرا سینہ۔ حافظہ کی قوت میں ممتاز تھے۔ابن خرزاد کا مقولہ ہے کہ میں نے قوتِ حافظ میں چار شخص بے بدل دیکھے۔ابن منہال، ابن عرعرہ ابوزرعہ اور ابو حاتم۔اور ابو یعلی موصلی کے سامنے اُن کا ذکر آیا تو اُنہوں نے تعظیم سے ذکر کیا اور کہا کہ بصریوں میں اُن کے وقت میں اِن کا سا حافظہ کسی میں نہ تھا۔شعبان ۲۳۱ھ میں رحلت کی۔

(۷) ابو معشر:

حمدویہ نام ۔بخارا کے باشندے تھے امام بخاری کے مستملی اور روایت حدیث میں ثقہ تھے۔محمد ابن سلام بیکندی وغیرہ کے شاگرد ہیں اور محمد ابن احمد وغیرہ محدثین بخارا کے اُستاد امام ذہبی لکھتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ اُنہوں نے سفر نہیں کیا

(۸) مغیرہ ابن مقسم:

ابو ہشام کنیت۔کوفہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۸ھ میں پیدا ہوئے دنیا میں آئے تو آنکھوں میں نور نہ تھا فقیہ اور مُحدّث ہیں ذکاوت اور طباعی میں عجوبۂ روزگار تھے۔شعبی ،مجاہد ابرہیم نخعی جیسے بلند پایہ ائمہ سے فنِ حدیث وفقہ حاصل کیا۔اور شعبہ وابوعوانہ جیسے عالی رتبہ امام اُن کے شاگردوں کی فہرست میں ہیں۔امام ابن حنبلؒ نے اُن کے حافظہ، ذہانت اور اتباعِ سُنّت کی تعریف فرمائی ہے۔مغیرہ کا قول ہے کہ جو

بات ایک دفعہ میرے حافظہ کے خزانہ میں آ گئی کبھی گم نہیں ہوئی۔

(۹) حمادابن زید:

ابواسمٰعیل کنیت۔وطن بصرہ۔ابن دینار وغیرہ محدثین سے حدیث روایت کی۔ابن المدینی اُن کے تلامذہ میں ہیں۔ابن مہدی کا قول ہے کہ اپنے اپنے زمانہ میں یہ چار آدمی امام الناس تھے۔سفیان ثوری، امام مالک، اوزاعی، اور حماد ابن زید۔ ابن مہدی کا یہ قول بھی ہے کہ بصرہ میں ان سے بڑھ کر فقیہ نہ تھا۔جس روز وہ مرے اسلامی دنیا میں اُن کی شان وطرز کی نظیر موجود نہ تھی۔ابواسامہ کا قول ہے کہ حماد کے رویہ میں نوشیروانی دبدبہ اور فقہ میں فاروقی شان عیاں تھی۔اُن کو خود اپنی روایت کردہ چار ہزار حدیثیں ازبر تھیں اور اس خوبی سے کہ بقول ایک امام حدیث کے، کسی روایت میں خطا نہیں کی۔۱۷۹ھ میں اکیاسی برس کے سن میں رحلت کی۔

(۱۰) حافظ علامہ ابوعمر:

حفص نام۔بصرہ وطن خلقی نابینا تھے۔فن حدیث حماد ابن سلمہ وغیرہ اماموں سے سیکھا۔ابوداود ابوزرعہ اُن کے شاگردوں میں ہیں۔ابوحاتم کا قول ہے کہ اُن کا سارا علم حدیث اُن کے سینہ میں محفوظ تھا۔علاوہ حدیث کے فقہ، اخبار، فرائض، حساب، ادب اور تاریخ عرب اتنے اور فنون میں بھی ماہر تھے۔۲۲۰ھ میں انتقال کیا۔

(۱۱) ابوالعیناء:

محمد نام۔ابوعبداللہ کنیت۔اصل وطن یمامہ (ملک یمن تھا) اہواز میں ۱۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔بصرہ میں پرورش پائی اور وہیں علم حدیث اور فنِ ادب کی تحصیل

کی۔ اُستاد اصمعی وابوعبیدہ جیسے کامل فن تھے۔ حافظہ بہت قوی تھا۔ نہایت فصیح و بلیغ اور لطائف وظرائف حاضر جوابی وذہانت میں بے مثل تھے۔ ایک اور نابینا ابوعلی اُن کے ہمعصر تھے دونوں میں مقابلہ رہتا تھا۔ ان معرکوں میں جو لطیفے اور مزہ دار شعر ہوئے وہ مشہور ہیں۔

حاضر جوابی کی مثالیں:

ابوالعینا ایک روز ایک وزیر کی مجلس میں حاضر تھے برمکیوں کے فضلِ وجود کا ذکر ہو رہا تھا۔ یہ بھی اپنی فصاحت و بلاغت صرف کر رہے تھے جب بہت تعریف ہوئی تو وزیر رشک سے بے چین ہو کر کہنے لگا یہ سارے مبالغے اور لکھنے والوں کے جھوٹے بیان ہیں۔ ابوالعینا نے بے ساختہ کہا کہ وزارت مآب کی نسبت یہ مبالغے کیوں نہیں کئے جاتے۔ وزیر یہ گرم فقرہ سُن کر سرد ہو گیا اور تمام حاضرین ابوالعینا کی جرأت پر دم بخود رہ گئے۔

دوئم مثال:

ایک روز وزیر ابنِ ذہب کے حضور میں اپنی پریشانی کی شکایت کر رہے تھے ابنِ ذہب نے کہا کہ میں نے تمہاری نسبت ابن المدبر کو لکھا تھا۔ ابوالعینا نے کہا بجا ہے مگر حکم ایسے شخص کو دیا گیا جو خود مدتوں شکستہ حال مبتلائے زندان اور مصائب کا نشانہ رہا ہے، اُس بیچارے میں ہمت کہاں۔

وزیر: (ازراہِ طنز) تم نے ہی اُس کو پسند کیا تھا۔

ابوالعینا: میں نے بیشک انتخاب کیا مگر میں موردِ الزام نہیں ہو سکتا۔ حضرت موسیٰ نے

اپنی قوم میں سے ستر آدمی انتخاب فرمائے ان میں سے ایک بھی ٹھیک نہ نکلا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی پیشی کے واسطے عبداللہ ابن سعد کو پسند فرمایا وہ کمبخت مُرتد ہوکر مشرکوں سے جاملا۔ حضرت علیؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو حکم بنایا اُنہوں نے انہیں کے مضر فیصلہ کیا۔

سوئم مثال:

ایک روز وزیر ابوالصقر کے یہاں پہنچے۔ وزیر نے دیکھ کر کہا آخاہ ابوالعینا مدت میں آئے، کہاں رہے؟

ابوالعینا: جناب میری سواری کا گدھا چوری جاتا رہا۔

وزیر: ہاں! کیسے جاتا رہا؟

ابوالعینا: وزارت پناہ میں چور کے ہمراہ تھا جو یہ بتاؤں کہ کس طرح چوری گیا؟

وزیر: اچھا تو تم دوسری سواری پر چلے آئے ہوتے۔

ابوالعینا: تنگدستی نے دوسری سواری خریدنے نہ دی۔ حمیت نے کرایہ دار کا تقاضا گوارا نہ کیا۔ مستعار مانگنے کی ذلت دل کو ناگوار تھی۔ پھر دوسری سواری کیونکر مہیا کرتا۔

چہارم مثال:

ایک دن صاعد ابن مخلّد سے ملنے گئے۔ جو اسی زمانہ میں نصرانی مذہب ترک کر کے مسلمان ہوئے تھے جب اندر جانے کی اجازت چاہی تو خادم نے کہا نماز میں مصروف ہیں۔ ابوالعینا نے کہا لکل جدید لذۃ۔ لوگوں نے ایک روز کہا، ابوالعینا آخر کب تک مدح اور ہجو کئے جاؤ گے؟ کہا جب تک نیک کام کرنے والے نیک اور

بُرے کام کرنے والے بُرے کام کئے جائیں گے۔البتہ خدا سے یہ میری التجا ہے کہ بچھو کا خواص مجھ کو نہ دے جس کے ڈنک سے نبی اور ذمی کوئی نہیں بچتا۔

پنجم مثال:

ایک مرتبہ خلیفہ متوکل کے نوتعمیر قصر جعفری میں گئے۔خلیفہ نے پوچھا ابوالعینا قصر جعفری کیسا ہے؟ ابوالعینا نے برجستہ جواب دیا۔ ان النّاس بنو الدار فی الدنیا وانت بنیت الدنیا فی الدّار. یعنی لوگوں نے دنیا میں گھر بنائے ہیں اور آپ نے محل میں دنیا بسادی ہے۔متوکّلِ اس تعریف سے بہت خوش ہوا اور مسرور ہو کر پوچھا کہ شراب کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ تھوڑی پر صبر نہیں کثرت میں رسوائی ہے۔خلیفہ نے کہا اس قصہ کو دُور مارو۔آج سے خلافت کے ندیموں میں داخل ہو جاؤ۔ابوالعینا نے عرض کی کہ جائے پناہ میں اندھا آدمی ہوں۔دربارِ خلافت میں جن کو حاضری کا شرف ہوتا ہے وہ امیر المؤمنین کی خدمت گذاری کرتے ہیں میں اُلٹی خدمت کا محتاج ہوں بادشاہوں کی نظر کسی روز سیدھی ہوتی ہے اور دل میں ملال ہوتا ہے کسی روز نگاہ پھری ہوئی ہوتی ہے لیکن دل میں گنجائش ہوتی ہے میں آنکھیں نہ ہونے کے سبب ان حالتوں میں امتیاز نہ کرسکوں گا۔اور کسی روز مرا پڑوں گا۔پس اس مصیبت سے گوشۂ عافیت اچھا ہے متوکل اس جواب سے مکدرّ ہوا اور کہا کہ ہم نے سنا ہے ''تم لوگوں سے بدزبانی بہت کرتے ہو؟''۔

ابوالعینا: خدا نے بھی مدح اور ذم دونوں فرمائی ہیں ایک جگہ ارشاد ہے نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّه اَوَّابٌ دوسری جگہ فرماتا ہے هَمَّازٍ مَشَاءٍ بِنَمِيْم مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ۔

اور ایک شاعر کا قول ہے ۔

إِذَا أَنَا بِالْمَعْرُوفِ لَمْ أُثْنِ صَادِقًا وَلَمْ أَشْتِمِ النِّكْسَ اللَّئِيمَ الْمُذَمَّمَا

فَفِيمَ عَرَفْتُ الْخَيْرَ وَالشَّرَّ اسْمَهُ وَبِمَ شَقَّ لِي الْمَسَامِعَ وَالْفَمَا

یعنی اگر میں راستباز کی ثنا اس کی خوبی پر نہ کروں اور کاہل دنی الطبع بدخو کو بُرا بھلا نہ کہوں تو بھلائی اور بُرائی یہ دو نام بیکار ٹھہرے اور مجھ کو جو کان اور زبان ملی تو کیوں؟

ششم مثال:

۲۴۵ھ میں یہ واقعہ ہوا کہ دربارِ خلافت نے ابن سلمہ نامی ایک شخص کو موسیٰ اصفہانی کے سپرد کیا۔ مقصود یہ تھا کہ اُس سے خزانہ شاہی کا مطالبہ وصول کیا جائے اصفہانی نے سختی کے ایسے جوہر دکھائے کہ وہ بے چارا جان سے جاتا رہا۔ اس کی خبر شباشب خلیفہ کو پہنچی۔ اُسی روز ابو العینا کسی امیر کے یہاں بیٹھے تھے امیر نے ان سے پوچھا کہ ابو العینا ابن سلمہ کی کیا خبر ہے؟ انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھی فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ. یعنی "موسیٰ نے اس کے ایسا مکہ مارا کہ اس کا کام تمام کر دیا"۔ یہ لطیفہ شہرت کے زور میں خود موسےٰ کے کانوں تک جا پہنچا۔ دوسرے روز موسیٰ اور ابو العینا سے راستہ میں مڈبھیڑ ہو گئی موسیٰ نے ڈانٹا۔ تو ظالم نے بیساختہ یہ آیت پڑھ دی أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ۔ یعنی "تو یہ چاہتا ہے کہ مجھ کو بھی اسی طرح مار ڈالے جس طرح کل تو ایک شخص کو قتل کر چکا ہے"۔ ۲۸۳ھ میں یہ جوہر بے بہا پیوندِ خاک بغداد ہو گیا۔

(۱۲) ابوبکر نحوی:

عبداللہ نام۔ثقہ ہیں۔احمد ابن کامل کا بیان ہے کہ میں نے ۲۷۷ھ میں اُن کے مکان پر جا کر علم حاصل کیا۔طبقات الادباء میں اسی قدر ان کا حال لکھا ہے۔

(۱۳) ابوجعفر نحوی:

محمد نام، بڑے رتبہ کے قاری اور فن نحو میں کامل، ابو معاویہ نابینا کے شاگرد ہیں ابن المرزبان وغیرہ اُن کے شاگرد تھے، روایت میں ثقہ ہیں۔ایک کتاب نحو میں تصنیف کی اور ایک قرأت میں۔ ۲۳۱ ہجری میں رحلت کی۔

(۱۴) ابوالعلا معرّی:

احمد نام، والد کا نام عبداللہ۔خاندان عرب کا قبیلہ مشہور قضاعہ۔علامہ عصر اور فنون ادب کے عالی رتبہ کامل تھے۔۲۷ ربیع الاوّل ۳۶۳ھ کو شہر معرہ (واقع ملک شام قریب حماۃ) میں پیدا ہوئے۔چار برس کا سن تھا کہ چیچک نکلی اور آنکھیں اس کی نذر ہو گئیں۔سیدھی آنکھ کو سپیدی نے تاریک کر دیا تھا اور بائیں بالکل بیٹھ گئی تھی۔نحو اپنے والد سے معرہ میں پڑھی۔شوقِ طلب نے وطن چھوڑایا۔اور حلب پہنچ کر فنِ مذکور کی ابن سعد نحوی سے تکمیل کی۔گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے۔ ۳۹۸ھ میں بغداد آئے مگر زیادہ نہیں ٹھہرے۔دوسرے سال پھر آئے۔اس زمانہ میں علم کی طلب مسلمانوں کے دل سے ایسی لگ رہی تھی کہ نابینا بھی ایک جگہ آرام سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔شہر در شہر پھرتے اور جہاں چشمہ علم وفن دیکھتے سیراب ہوتے۔غرض دوسری مرتبہ بغداد آئے۔تو ایک برس سات مہینے رہے۔جب اس دارالکمال سے سند تکمیل

پالی تو اپنے وطن کو واپس گئے اور علم کی خدمت میں مصروف ہوئے ۔طلبا جوق در جوق اطراف ملک سے ان کے پاس آنے لگے ۔ایک طرف سلسلہ درس جاری تھا دوسری جانب سلسلہ تصانیف جو نامور علما و وزراء اور ذی رتبہ لوگ اُن کے ہم عصر تھے اُن سے برابر خط و کتابت رہتی تھی ۔ابو العلا نے از راہ ظرافت اپنا لقب رہین السجنین رکھا تھا۔ یعنی دوہرے قید خانہ کا قیدی۔ایک نابینا دوسرے خانہ نشین پینتالیس برس گوشت نہیں کھایا۔اس بارہ میں حکمائے قدیم کے ہم خیال تھے کہ اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے کسی کی جان لینا زیبا نہیں۔

حافظ سلفی فرماتے ہیں کہ میں بچپن میں اپنے چچا کے ہمراہ ابو العلا کی زیارت کو گیا تھا۔ایک ادنی جانماز پر بیٹھے ہوئے تھے مجھ کو دیکھ کر پاس بلایا اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔میں نے دیکھا کہ ان کے چہرہ پر چیچک کے داغ تھے اور جسم دبلا پتلا تھا۔

اُبو العلا کی تصانیف:

ابو القاسم تنوخی اور خطیب تبریزی جیسے ادیب علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ اُن کی بہت سی تصانیف مشہور ہیں منجملہ ان کے لزوم مالا یلزم پانچ جز کی ایک نظم ہے سقط الزند یہ بھی نظم ہے ضوء السقط الزند کی شرح ہے۔سنا ہے کہ ایک اور آپ کی تصنیف فن ادب میں ہے جس کا نام ''الایک والغصون'' ہے یہ سو جلد میں ہے۔ایک شخص نے مجھ سے (ابن خلکان سے) بیان کیا کہ کتاب مذکور کی ایک جلد میں نے دیکھی تھی جو ایک سو ایک دیں تھی ۔شخص مذکور کا قول ہے کہ مجھ کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ جلد مذکور خاتمۂ کتاب تھی یا اس کے بعد اور جلدیں بھی تھیں دیوان متنبی

کی شرح لامع عزیزی لکھی اس شرح کی بڑی تعریف ہوئی۔ابوالعلا نے تعریف سنی تو فخریہ لہجے میں کہا کہ متنبّی نے گویا میرے ہی حق میں یہ پیشین گوئی کی تھی ؎

اَنَا الَّذِیُ نَظَرَ الْاَ عْمیٰ اِلیٰ اَدَبِیُ

وَاَسمَعتُ کَلِماَتِیُ مَنُ بِہٖ صَمَمٌ

ترجمہ: میں وہ ہوں کہ اندھے نے میرے ادب کو دیکھا

اور میرے کلام کو بہرے نے سنا۔

(حسن اتفاق کا کرشمہ دیکھو مصرع اول معری کے مناسب حال تھا دوسرا مصرع معری کے سوانح نگار کے حسب حال ہے۔)

دیوان ابوتمام کا انتخاب کیا اور اس انتخاب کی شرح لکھی اور ذکریٰ حبیب نام رکھا اس نام کا لطف اہل ذوق جانتے ہیں گویا علامہ معری نے یہ پیشین گوئی میرے حق میں کی تھی کے ایک روز حبیب الرحمٰن میرا ذکر کرتا ہوگا۔دیوان بحتری کا بھی انتخاب کیا اور اس کا نام غیث الولید رکھا۔دیوان متنبّی کا انتخاب کر کے معجز احمد نام رکھا ان انتخابوں میں جس قدر اشعار مشکل تھے سب کی شرح لکھی اور یہ بتلایا کہ ان میں یہ کون کون سا مضمون دوسروں کے کلام سے ماخوذ ہے اُن پر جو اعتراض تھے وہ لکھے اور انکا جواب دیا اُن کی غلطیوں کی توجیہ کی۔بعض جگہ خود گرفت کی۔ ۴۴۹ھ ہجری میں چار روز بیمار رہ کر وفات پائی۔وفات سے ایک روز پہلے اپنے چچیرے بھائی سے وصیت لکھنے کی فرمائش کی وہ دوات قلم لے کر بیٹھے۔ابوالعلا نے وصیت کی مگر بے جوڑ جس سے حاضرین کو یقین ہو گیا کہ دمِ واپسیں قریب ہے۔

(۱۵) ابوالحسن مصری فقیہ شافعی:

منصور نام۔فقہ کے جلیل القدر امام۔ ہر علم میں ماہر اور بڑے رتبہ کے شاعر ہیں جزیرہ (ملک مابین دجلہ وفرات) کے مشہور شہر راس عین کے باشندے تھے۔علم کی خاطر وطن چھوڑ کر مصر آئے اور یہاں امام شافعی اور اُن کے شاگردوں سے علم فقہ کی تکمیل کی۔فقہ شافعی میں ان کی بہت سی عمدہ تصانیف ہیں۔منجملہ اُن کے الواجب، المستعمل ،المسافر اور الھدایہ ہیں۔شعر بہت اچھا کہتے تھے شیخ ابواسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہا میں اُن کا کلام نقل ہے۔

عَابَ التَّفَقّہ قَوْمٌ لَا عُقُوْلَ لَھُمْ وَمَا عَلَیْہِ اِذَا عَابُوْہُ مِنْ ضَرَرٍ

مَاضَرُّشَمْسِ الضُّحیٰ وَالشَّمْسُ طَالِعَۃٌ اَنْ لَا یَرٰی ضَوْئھَا مَنْ لَیْسَ ذَالْبَصَر

ترجمہ: فقہ کو بے عقل لوگ برا کہتے ہیں ان کے برا کہنے سے فقہ کا کچھ نقصان نہیں۔

بلند وروشن آفتاب کی روشنی کو اندھا نہ دیکھے تو آفتاب کا کیا نقصان۔

ایک سال قحط پڑا اور منصور کو بے حد تکلیف ہوئی۔صعوبت اُٹھانے کی ایک حد ہے جب مضطرب ہوئے تو شب کو مکان کی چھت پر چڑھے اور بآواز بلند یہ کلام پڑھا۔

اَلْغَیَاثُ اَلْغَیَاثُ یَا اَحْرَار نَحْنُ خِلْجَانُکُمْ وَ اَنْتُم بِحَار

اِنَّمَا تُحْسِنُ الْمَوَاسَاۃُ فِی الشِّدَّۃِ لَاحِیْنَ تَرْخُصُ الْاَسْعَار

ترجمہ: اے احرار الغیاث الغیاث! تم دریا ہو ہم تمہاری نہریں ہیں۔

گرانی میں سلوک خوب ہوتا ہے نہ جب کے نرخ ارزاں ہو۔

نیک دل پڑوسیوں کے دل میں اس کلام کی یہ تاثیر ہوئی کہ صبح کو منصور کے دروازہ پر گیہوں کا ایک انبار عظیم لگا ہوا تھا۔جمادی الاوّل ۳۰۶ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) ہشام نحوی:

ابوعبداللہ کنیت۔ والد کا نام معاویہ۔ کوفہ کے باشندہ تھے۔ نحو کے مشہور امام کسائی کے خاص شاگرد ہیں۔ ایک روز اسحٰق ابن ابراہیم خلیفہ ماموں کے دربار میں گفتگو کررہا تھا۔ ایک جگہ غلط لفظ زبان سے نکلا۔ خلیفہ نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا اسحٰق سمجھ گیا کہ غلطی ہوئی دربار سے نکل کر سیدھا ہشام کی خدمت میں آیا اور فن نحو کی تحصیل شروع کردی۔

کیا زمانے تھے اور مسلمانوں کی تربیت کے کیسے سامان مہیا تھے۔ خلیفہ مربی کمال، اساتذہ فن بکثرت موجود، مسلمانوں کی حمیت حساس اور طبیعتوں میں علم کا شوق نتیجہ یہ تھا کہ ہر طرف غلغلہ کمال بلند تھا۔ کتاب القیاس و کتاب المختصران کی تصنیف ہیں ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔

(۱۷) ابوالعباس رازی:

احمد نام۔ بصیر لقب۔ شہر رے وطن۔ نابینا پیدا ہوئے حافظ حدیث اور اس فن کے ماہرین میں سے ہیں۔ ذکاوت کے جوہر چہرہ سے عیاں تھے۔ احمد ابن محمد سے علم حدیث حاصل کیا۔ آنکھیں نہ تھیں پاؤں تو تھے۔ شوق علم میں وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ بخارا اور نیشاپور پہنچے اور ابن ہلال و ابوالعباس اصم سے حدیث پڑھی۔ اتفاق دیکھو شاگرد واستاد ہمنام اور ہمدرد۔ ایک بصارت سے دوسرا سماعت سے معذور مگر تعریف یہ کہ دونوں خدمت علم میں کمر بستہ اور دونوں خدمتِ علم کی بدولت خلعتِ کمال و نیک نامی سے ممتاز۔ خیر بلخ گئے اور وہاں ابن طرخاں سے سماعت حدیث

کی۔ جب شاگردی کا دور ختم ہو کر اُستادی کا وقت آیا تو فضل وکمال کی ٹکسال یعنی بغداد آئے اور درس حدیث دیا۔ بغداد اور بلخ کا فاصلہ دیکھا جائے تو ڈیڑھ ہزار میل ہوتا ہے اگر ابوالعباس کی تمام مسافت سفر کی تعداد جمع کی جائے تو غالباً دو ہزار میل سے زیادہ ہو گی۔

یہ اگلے نابینا مسلمانوں کے سفر تھے۔ جن کی آنکھیں تھیں ان کا تو ذکر ہی کیا امام ابوحاتم رازی نے ایام طالبِ علمی میں نو ہزار میل سے زیادہ مسافت پیادہ پا طے کی تھی۔ جب نو ہزار سے میلوں کی تعداد بڑھ گئی تو اُنہوں نے شمار کرنا چھوڑ دیا۔ آج کل کے طالب علموں کی سیاحت ابوالعباس کی سیاحت کو نہیں پہنچ سکتی۔ کیونکہ ہمارے دوستوں کی حمیت ریل کے سفر کو غالباً ابوالعباس کے کٹھن سفر کے مقابلہ میں لانا گوارا نہ کرے گی ازہری وغیرہ بہت سے علمائے حدیث ابوالعباس کے شاگرد ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کی توثیق کی اور امام دارقطنی نے اُن کی چیدہ روایتیں قبول کی ہیں۔ امام ابن ابی حاتم کے مستملی رہے۔ ۳۹۹ھ میں جسمانی حیات کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر علمی زندگی آج تک قائم ہے اور صدہا برس اور قائم رہے گی۔

(۱۸) سعدان نحوی:

ابوعثمان کنیت۔ والد کا نام مبارک، وطن بغداد۔ خلیفہ مہدی کی جاریہ عاتکہ کے موالی میں سے تھے اور فنِ ادب میں کامل، ابوعبیدہ کے شاگرد ہیں مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کیں۔ کتاب خلق الانسان، کتاب الوحوش، کتاب الارض والمیاہ والجبال والبحار۔

(۱۹) وراق نحوی:

ابوالحسن کنیت۔ محمد نام۔ والد کا نام ہبۃ اللہ۔ اُن کے دادا ابوالحسن بھی نحوی تھے۔ خلیفہ بغداد قائم بامر اللہ نے اپنی اولاد کی تعلیم کے واسطے اُن کو طلب کیا جب یہ دربار میں پہنچے تو نقیب نے آواز دی کہ امیر المؤمنین کے حضور میں پہنچ گئے۔ زمین کو بوسہ دو۔ ابوالحسن نے شان علم کو بالا رکھ کر کہا اَلسَّلام علیکم وَ رَحْمۃُ اللہ اور وہیں بیٹھ گئے۔ خلیفہ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ قریب آ جاؤ یہ آگے بڑھ گئے۔ خلیفہ نے اور قریب آنے کی فرمائش کی یہ اور بڑھ گئے۔ غرض قائم بامر اللہ نے یہاں تک قریب بلا لیا کہ ان کا زانو خلیفہ کے زانو سے مل گیا۔ اس کے بعد قائم بامر اللہ نے فنِ عروض میں سوالات کیے۔ انہوں نے مفصل جواب دیئے پھر فن نحو کے مسائل دریافت کیے۔ اُنہوں نے اسی شان سے جواب دیئے۔ جب دربار سے اُٹھ آئے تو وکیل دربار نے آ کر کہا کہ مولانا امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ ابوالحسن علم کا دریا ہے۔ رمضان المبارک ۴۷۰ھ میں جمعہ کے روز قبل نماز جمعہ وفات پائی۔ ہفتہ کو دفن ہوئے۔

(۲۰) شاعر مشہور علی قیروانی:

شہر قیروان (واقع شمالی افریقہ) کے رہنے والے تھے اور فنِ قرأت میں کامل۔ شہر سبتہ (واقع ملک مراکو) میں کلام مجید کی تعلیم قرأت کے ساتھ دی۔ قرأت نافع میں ایک قصیدہ ۲۰۹ شعر کا لکھا ہے۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا۔ اس میں لکھتے ہیں۔

اَقُوْلُ لَـهُ وَقَدْ حَيَّا بِكَأْسٍ لَهَا مِنْ مِسْكِ رِيْقَتِهٖ خِتَامٌ

اَمِنْ خَدَّيْكَ يَعْصَرُ قَالَ كَلَّا مَتىٰ عُصِرَتْ مِنَ الْوَرْدِ الْمُدَامُ

ترجمہ: ساقی نے ایک جام (جس میں اس کے لعاب دہن کی آمیزش تھی) مجھ کو دے کر زندہ کر دیا تو میں اس سے پوچھتا ہوں کہ یہ کیا تیرے رخساروں سے ٹپکی ہے وہ کہتا ہے نہیں! کہیں گلاب کے پھول سے شراب کھینچا کرتی ہے۔

طبیعت کا میلان ہجو کی طرف زیادہ تھا۔ پانچویں صدی ہجری کے وسط میں جب قیروان برباد ہوا تو اُن کو وطن چھوڑنا پڑا۔ طنجہ (واقع ملک مراکو) میں آکر رہے۔ وہاں سے اندلس پہنچے۔ اندلس میں اُن دنوں ادب کا بہت چرچا تھا۔ یہ پہنچے تو بادشاہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی قدر کی۔ اندلس سے پھر طنجہ چلے آئے اور یہیں ۴۸۸ھ میں انتقال کیا۔

(۲۱) ابوالقاسم عمر نحوی:

ثمانین ملک جزیرہ کا ایک گاؤں تھا جس کی خاک سے بہت سے علما پیدا ہوئے۔ یہ بھی اُسی گاؤں کے فخر تھے۔ امام نحو ابن جنی کے شاگرد ہیں۔ ابن جنی کی دو تصنیفوں کا نام لمع ہے۔ ایک صرف میں ہے دوسری نحو میں۔ انہوں نے دونوں کی شرح لکھی۔ لمع نحو کی شرح بہت نفیس لکھی اور حق شرح نگاری ادا کیا۔ اُن کی ذات سے بہت کثرت سے لوگ فیض یاب ہوئے۔ بغداد میں پڑھاتے تھے۔ ابن برہان سے مقابلہ رہتا تھا۔ خواص ابن برہان کے یہاں اور عوام ان کے درس میں آتے ۴۴۲ھ میں انتقال ہوا۔

(۲۲) امام شاطبی:

ابو محمد کنیت۔ قاسم نام۔ شاطبہ کے باشندہ تھے مشرقی اُندلس جو ایک بڑا مردم

خیز شہر تھا۔ ۵۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔فنِ قرأت کے مشہور امام ہیں علاوہ قرأت کے تفسیر، حدیث کے زبردست عالم اور فنِ نحو ولغت میں بے نظیر تھے۔علم تعبیر سے بھی واقف تھے فن قرأت قاری ابوعبید اللہ اور ابوالحسن اندلسی سے اور علم حدیث ابن سعادہ خزرجی وحافظ ابن النعمہ وغیرہ سے حاصل کیا۔صحیح بخاری ومسلم وموطا پر ایسا کامل عبور تھا کہ جب طلبا پڑھتے تو یہ اپنے حافظہ سے اُن کے نسخوں کی صحت کراتے جاتے اور کثرت سے نکات بیان کرتے۔قول وفعل دونوں میں نہایت راستباز تھے۔کلام فضول سے سخت احتیاط تھی اور ہرگز بے ضرورت بات نہیں کرتے تھے۔مرض کی شدت میں ہائے، واویلا تو بڑی چیز ہے کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں آتا تھا۔جب کسی نے مزاج پرسی کی ''خیریت'' ہے کہہ کر خاموش ہو گئے۔

علم قرأت باوضو پر تکلف لباس پہن کر نہایت خشوع وخضوع اور انکسار کے ساتھ پڑھاتے۔ ۵۷۲ھ میں مصر گئے اور سلطان صلاح الدّین کے باکمال وزیر قاضی فاضل کے مہمان ہوئے۔وزیر مصر نے مہمان عزیز کی یہ ضیافت کی کہ خاص اُن کے لئے ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔امام شاطبی مدرسۂ مذکور میں کلام مجید، قرأت، نحو ولغت پڑھایا کرتے تھے۔

علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ اُن کی ذات نے ایک عالم کو فیض پہنچایا۔ میں نے مصر میں بہت سے اُن کے شاگرد دیکھے۔۲۸ جمادی الاوّل روز یکشنبہ ۵۹۰ھ کو بعد عصر ۵۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔فاضل میزبان نے بعد وفات بھی باکمال مہمان کی مفارقت گوارا نہیں کی۔یعنی امام شاطبی اُسی مقبرہ میں دفن ہوئے جو قاضی فاضل نے اپنے لئے بنوایا تھا۔

(۲۳) محب الدین حنبلی:

ابوالبقاء کنیت۔عبداللہ نام۔بغداد کے رہنے والے۔علم حساب،فرائض اور نحو میں کامل تھے۔ ۵۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔فن نحو ابن خشاب وغیرہ اساتذہ فن سے پڑھا۔حدیث کی سند امام طاہر مقدسی وغیرہ سے حاصل کی۔زندگی ہی میں دور دور مشہور ہو گئے تھے۔شہرت ایک مخلوق کو اُن کے آستانہ پر کھینچ کر لائی۔اور جو آئے دولتِ علم سے مالا مال گئے۔اُن کی آخری عمر میں یہ مان لیا گیا تھا کہ فنون بالا میں وہ یکتائے روزگار تھے۔نحو کی خدمت زیادہ کی۔اس فن میں بہت سی مفید کتابیں لکھیں۔ ان تصانیف کے حسب ذیل نام علامہ ابن خلکان نے لکھے ہیں۔شرح ایضاح ابوعلی فارسی،شرح دیوان متنبّی،کتاب اعراب القرآن الکریم،کتاب اعراب الحدیث،شرح اللمع لابن جنی،کتاب اللباب علل نحو میں،کتاب اعراب شعر الحماسہ،شرح مفصل زمخشری،شرح خطب نباتیہ،شرح مقامات حریری۔

اِن کے علاوہ فن حساب میں بھی متعدد تصانیف تھیں۔ ۶۱۶ھ میں بمقام بغداد راہی ملک بقا ہوئے۔

(۲۴) ابن الدّہان نحوی

مبارک نام۔ابوبکر کنیت۔وجیہ لقب۔شہر واسط کے چشم و چراغ۔۵۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔وطن میں کلام مجید حفظ کر کے ابتدائی علوم تحصیل کئے۔اس کے بعد بغداد آئے اور محلّہ مظفریہ میں سکونت اختیار کی۔ابن الانباری اور ابن خشاب سے ادب پڑھا۔علامہ ابن الانباری سے زیادہ مستفیض ہوئے۔حدیث طاہر مقدسی سے

سیکھی۔فقہ حنفی کی بھی تحصیل کی۔ پہلے حنبلی تھے پھر حنفی ہو گئے۔مدرسہ نظامیہ میں واقف کی جانب سے یہ شرط تھی کہ فن نحو کا مدرس شافعی مذہب ہو۔اس منصب کے لئے حنفیت کو چھوڑ کر شافعی بن گئے ایک شاعر کو ان کی مذہبی آزادی دیکھ کر بہت غصہ آیا اور یہ شعر لکھے۔

وَمَنْ مُبْلِغٍ عَنِّي الْوَجِيْهَ رِسَالَةً   وَاِنْ كَانَ لاَ تُجْدِیْ اِلَیْهِ الرَّسَائِلُ

تَمَذْهَبْتَ لِلنُّعْمَانِ بَعْدَ ابْنِ حَنْبَلٍ   وَذٰلِکَ لَمَّا اَعْوَزَتْکَ الْمَآکِلُ

وَمَااخْتَرْتَ قَوْلَ الشَّافِعِیِّ تَدَیُّنًا   وَلٰکِنَّمَا تَهْوِیْ الَّذِیْ مِنْهُ حَاصِلُ

وَعَمَّا قَلِیْلٍ اَنْتَ لاَ شَکَّ صَائِرٌ   اِلٰی مَالِکٍ فَافْطِنْ لِمَا اَنَا قَائِلُ

ترجمہ: میری طرف سے کوئی یہ پیام وجیہ کو پہنچادے (اگر چہ پیاموں سے اس کو کچھ نفع نہیں) کہ امام حنبل کے بعد تو نے ابوحنیفہ کا مذہب اختیار کیا اور یہ اس وقت کہ جب کھانے پینے کی تنگی ہوئی، امام شافعی کا مذہب تو نے دیانت داری سے تھوڑا ہی قبول کیا ہے بلکہ جو اس سے آمدنی ہوگی وہ پیش نظر ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ تو ایک روز امام مالک کے مذہب میں جائے گا پس جو میں کہتا ہوں اس کو غور سے سن لے۔

کلام مجید کی تعلیم بہت کی۔مزاج میں بخل اور ادعا تھا۔باایں ہمہ بہت خوش طبع تھے ۶۱۲ھ میں رحلت کی۔

(۲۵) شاعر مشہور ابن منصور:

۱۳ جمادی الآخر کو بعد عصر ۵۰۱ھ میں شہر رقہ میں پیدا ہوئے۔۱۴ برس کی عمر میں چیچک نکلی اور آنکھیں جاتی رہیں۔لڑکپن میں بغداد آئے کلام مجید حفظ کیا اور اُس

دورانِ تحصیل میں جو تحصیل علم کے سامان مہیا تھے اُن سے پورا نفع اُٹھایا۔ ہر مجلس میں گئے اور فیض حاصل کیا۔ حدیث قاضی ابوبکر، ابوالبرکات اور ابوالفضل وغیرہ سے پڑھی۔ ادب ابن الجوالیقی سے سیکھا۔ فقہ حنبلی حاصل کی۔ نہایت پرہیز گار اور زاہد تھے۔ خلفاء امرا اور وزراء کی مدح میں قصائد لکھے۔ شعر بہت اچھا کہتے تھے۔ ایک دیوان یادگار رہا ۵۸۸ھ میں بمقام بغداد اور راہ گیر عدم آباد ہوئے۔

(۲۶) صائن الدین:

ابوالحزم کنیت مکی نام۔ آٹھ نو برس کی عمر میں اندھے ہو گئے تھے۔ ماکسین (واقع ملک جزیرہ) ایک چھوٹا سا شہر نہر خابور کے کنارے بستا تھا جو عمارت کی خوبی میں بڑے بڑے شہروں کا مقابلہ کرتا یہ وہیں پیدا ہوئے۔ ان کے والد جو چمڑے کا کام کرتے تھے ناداری کی حالت میں مرے اور سوائے افلاس کے پس ماندوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ ایک بی بی ایک بیٹی اور ایک بیٹا یہ اُس بھاری ترکہ کے وارث ہوئے۔ ماں بے چاری جب تنگ دستی کے ہاتھوں تنگ آ گئی۔ تو بیٹے سے گھبرانے لگی انہوں نے ماں کی حالتِ زار اور اس کے دل چرانے کی کیفیت دیکھی تو نکل کھڑے ہوئے اور موصل پہنچے۔ یہاں کلام مجید اور فنِ ادب پڑھا۔

موصل سے بغداد آئے اور ائمہ ادب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابن انباری، ابن خشاب، ابن الدہان وغیرہ باکمالوں کے فضل وکمال سے استفادہ کیا۔ علم حدیث بھی سیکھا۔ فارغ التحصیل ہو کر پھر موصل آئے اور پڑھانا شروع کر دیا۔ علم وفضل کی قوت شہرت کو شہر در شہر لے پہنچی اور جوق در جوق طلبا ان کے درس میں آنے

لگے ابن مستوفی نے تاریخ اربل میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''جامع فنون ادب، حجت کلام عرب، ان کی دانشمندی اور دینداری پر سب کا اتفاق ہے اور علم وفضل پر سب کا اجتماع۔ حدیث کا علم بہت وسیع تھا۔ اپنی ذات کو کلام مجید اور ادب کے سارے شعبوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا تھا۔ شعر خوب کہتے تھے۔ ابوالعلا معرے کے زیادہ معتقد تھے اور انہیں کے طرز کا تتبع کرتے تھے۔ تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو وطن یاد آیا اور ماکسین پہنچے۔ بچپن میں وہاں کے لوگ ملکیکی کہا کرتے تھے۔ جب یہ عالم بن کر لوٹے تو اہل وطن نے اپنے شہر کا فخر سمجھ کر ان کو نہایت خوشی سے لیا۔ صبح کو یہ حمام جاتے تھے۔ راستہ میں سنا کہ ایک عورت اپنے بالا خانہ پر بیٹھی اپنے ہمنشین سے کہہ رہی تھی کہ تم نے سنا فلانے کا بیٹا ملکیکی آیا ہے یہ اپنا نام بگڑا ہوا سن کر بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ جہاں میرا نام بگاڑا جائے وہاں میں نہیں ٹھہر سکتا اور فوراً موصل کو چل دیئے۔ اخیر عمر میں شام کی پاک سرزمین کا سفر کیا۔ بیت المقدس گئے وہاں سے حلب اور حلب سے موصل۔ رمضان ۶۰۳ھ میں موصل آئے تھے شوال میں وصال ہو گیا اور اپنے استاد ابن الدہان کے پہلو میں آسودہ ہوئے۔

(۲۷) ناقداری محدّث:

ابوبکر کنیت۔ محمد نام ناقدار کے رہنے والے تھے۔ لڑکپن میں بغداد آئے اور علم حاصل کیا۔ فنِ حدیث میں ممتاز تھے۔ فنِ رجال اور حفظِ حدیث میں اپنے زمانہ میں یکتا اور معتمد علیہ مانے گئے ہیں۔ ۵۷۵ھ میں وفات پائی۔ ان کی صاحبزادی عجیبہ کامل باپ کی کامل بیٹی، فنِ حدیث کی امام وقت اور اپنے عہد میں علو روایت میں بے نظیر تھیں۔

(۲۸) جمال الدّین:

یحییٰ نام۔ علم ادب میں علامہ دہر تھے اور سیّد الشعراء کے لقب سے ممتاز، حنبلی مذہب، عابد و زاہد تھے۔ ۶۵۶ھ میں وفات پائی۔

(۲۹) کمال الدّین:

علی نام، نسباً عباسی۔ مصر کے باشندے تھے اور فنِ قرأت میں کامل اور یادگارِ سلف۔ اسی وجہ سے شیخ القرّاء لقب پایا۔

امام دمیاطی فن قرأت میں ان کے شاگرد ہیں۔ ساتوں قرأتیں امام ممدوح نے انہیں سے حاصل کی تھیں۔ ۹۸ برس کی عمر میں ۶۶۱ھ میں رحلت کی۔

(۳۰) قاری جمال الدّین:

احمد نام۔ فنِ قرأت کے امام تھے۔ ۶۶۲ھ میں سن کہولت میں بمقام قاہرہ مرحوم ہوئے۔

(۳۱) ابواسحٰق عراقی:

ابراہیم نام۔ ملک عراق میں فن قرأت کے امام مانے گئے ہیں۔ ۷۶ برس کی عمر میں ۶۸۲ھ میں انتقال کیا۔

(۳۲) اسمٰعیل ابن احمد:

مفسّر تھے۔ اصابہ میں حافظ ابن حجر نے جابجا ان کے اقوال سے استشہاد کیا ہے۔ مزید حالات نہیں معلوم ہوئے۔ فقط

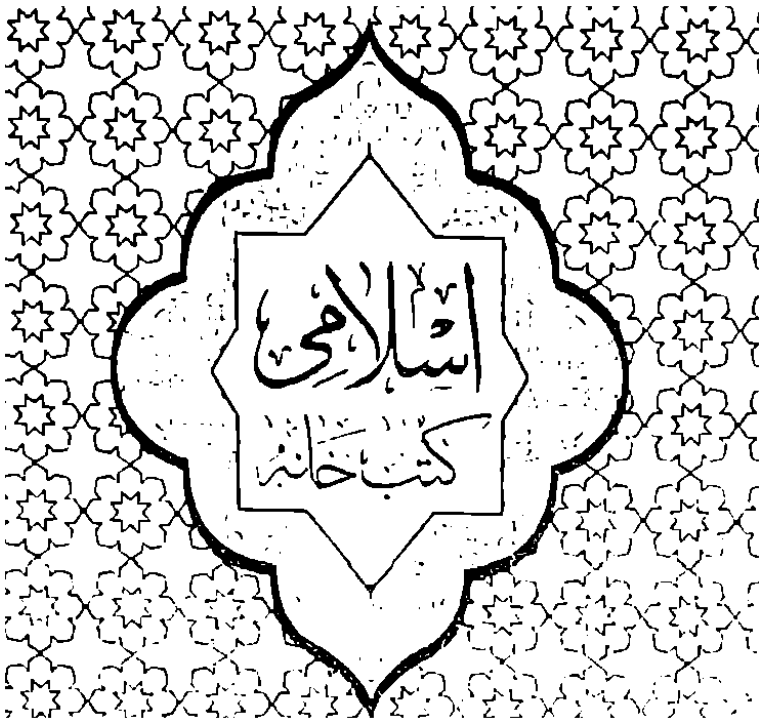
اسلامی
کتب خانہ

تعارف کتاب

اور ان بلند پایہ کتب میں سے میرے نزدیک علم کے حصول میں ہمتوں کو بلند کرنے والی، مشاکل کی شدت میں صبر کا درس دینے والی اور شوق کو بڑھانے والی، اردو زبان میں افضل ترین کتاب ''علمائے سلف'' ہے۔ جو کہ علامہ امیر حبیب الرحمن خان شیروانی صاحبؒ، سابق وزیر مذہبی امور حکومت حیدرآباد کی تصنیف لطیف ہے۔

یہ کتاب ایک خاص حالت میں لکھی گئی، اس کے لکھنے میں بے انتہا خلوص شامل ہے۔ قدیم علماء کے پر اثر اور رقت آمیز واقعات کو تلاش بسیار کے بعد اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ سلف صالحین کا علم نافع کے حصول میں استغراق، علم کی راہ میں ہر چیز کو قربان کر دینے حتی کہ اپنی جانوں کی بھی فکر نہ کرنے کا حال درج ہے۔ نیز عالی ہمت محدثین اور فقہاء کا علم کے راستے میں نکلنا اور اس راستے میں پیش آنے والے مصائب اور آلام پر صبر کرنے کا درس ملتا ہے۔

میں طالب علموں کو ہمیشہ اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو بار بار پڑھیں، کیونکہ اس کتاب کا پڑھنا طالب علم کو علم کی طلب میں آسودہ کرے گا۔ ''دارالعلوم ندوہ'' میں بھی نماز عصر کے بعد طالب علموں کے سامنے اس کتاب میں سے کچھ نہ کچھ پورا سال پڑھا جاتا ہے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون: 021-34927159